

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ﴿الحديث﴾

ہر شخص حشر میں اسی کے ساتھ ہوگا کہ جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا ہے۔

بہارِ میلاد

از

حضرت علامہ مولانا

الایاس رضوی صاحب

پیش کردہ

www.gulfishanmasjid.org

دسمبر ۱۹۹۳ء میں مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی (۱) متّعنا اللہ بطول حیاتہم وعلمہم نے راقم کو برائے تعلیم جامعہ صدام حسین بغداد (عراق) بھیجا اور یہ بات اس سے کچھ عرصہ پہلے کی ہے کہ غیر مقلدین حضرات کے ایک خطیب نے ماہ ربیع الاول میں محبت رسول کے تحت چند اعتراضات کے ساتھ ساتھ راقم کے ذکر امام مالک علیہ الرحمة پر تنقید برائے تنقید کی جس کا جواب راقم نے چند تقاریر میں دے دیا، اس سلسلے میں عرضِ اول یہ ہے کہ زیر نظر رسالہ ”بہار میلاد“ کسی مستقل عنوان پر نہیں بلکہ ان چند تقاریر ہی کا مجموعہ ہے جسے ادارہ الفکر شعبہ نشر و اشاعت کے اراکین کی فرمائش پر تحریر میں ڈھال کر قارئین حضرات تک پہنچانے کی سعی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ادارہ ”الفکر“ کے جملہ عہدیداران و اراکین کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ اقدس میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

عرضِ ثانی یہ ہے کہ اختصار کے پیش نظر بیاناتِ تقریر سے اکثر حصہ حذف کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ قارئین حضرات اس رسالہ میں ربط و تسلسل نہ پائیں بالخصوص محبت رسول ﷺ اور اسبابِ محبت پر ”مدارج نبوت“ از حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ متوفی ۱۰۵۲ھ ”جواہر البحار“ از علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ اور ”سیرت رسول عربی“ از حضرت علامہ نور بخش توکلی متوفی ۱۳۶۷ھ سے کتاب و سنت کی روشنی میں ایک تفصیلی گفتگو حذف کر دی گئی ہے اور بعض باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے جو بہت مختصر ہے، قارئین حضرات میں سے جو اس باب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ شارح صحیح مسلم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی ”شرح صحیح مسلم“ جلد اول، ص ۴۲۵ سے ص ۴۵۲ تک کا مطالعہ کر لے کہ ان صفحات پر نہایت ہی مبسوط و مفصل، مدلل و محقق اور نادر و نایاب بحث ہے۔

عرضِ ثالث یہ ہے کہ چونکہ تقاریر میں اکثر مقامات پر جلد و صفحہ کے ساتھ مکمل حوالے نہیں تھے اور بعض جگہ صرف اصل حوالہ تھا لہذا بصورتِ تحریر راقم نے مکمل حوالے لکھ دیئے اور اصل کے ساتھ اس کتاب کا حوالہ بھی دے دیا جس سے حدیث یا دیگر عبارت نقل کی گئی ہے تاکہ جن اہل علم حضرات کی اصلا کاوش ہے وہ ظاہر و باہر ہو جائے۔

عرضِ رابع یہ ہے کہ راقم الحروف، قارئین حضرات سے اس بات پر معذرت خواہ ہے کہ رسالہ ”بہار میلاد“ کی تحریر میں تقریری رنگ غالب ہوگا جس کا سبب ماقبل بیان ہو چکا ہے۔

عرضِ آخر یہ ہے کہ قارئین حضرات اس بات کا خیال ضرور رکھیں کہ غیر مقلدین کے خطیب کا ذکر لفظ ”مخالفین“ سے کیا گیا ہے تاکہ جوابِ راقم بجائے انفرادی، اجتماعی ردّ کو شامل ہو۔

والسلام

محمد الیاس رضوی اشرفی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي هدانا إلى الصراط المستقيم والصلاة والسلام على من اختص

بالخلق العظيم وعلى آله وصحبه الذين قاموا بنصرة الدين القويم أمابعد:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ ﴿التوبه: ۲۴﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، اولاد، بھائی، بیویاں، دیگر رشتہ دار، کمایا ہوا مال، وہ تجارت جس میں نقصان سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکان تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے زیادہ محبوب ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

امام بخاری اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: (فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ

وَوَلَدِهِ)۔ ﴿صحیح البخاری﴾، کتاب الإیمان، باب حبّ الرسول ﷺ من الإیمان، رقم الحديث: ۱۴، ص ۶، مطبوعة دار السلام، الرياض ﴿

ترجمہ حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں

میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: (لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ الرَّجُلِ) حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ

وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)۔ ﴿صحیح مسلم﴾، کتاب الإیمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ... إلخ، رقم الحديث:

[۱۶۸] ۶۹ (۴۴)، ص ۴۱، مطبوعة دار السلام، الرياض ﴿

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی بندہ (دوسری سند میں ہے کوئی مرد) مومن نہیں ہو سکتا جب

تک کہ میں اسے اس کے اہل (گھر والوں) سے اور اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

عَنْ أَبِي لَيْلَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: (لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَيَكُونَ عِزَّتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ عِزَّتِهِ وَتَكُونُ ذَاتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ ذَاتِهِ وَيَكُونُ أَهْلِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ)۔

﴿اخرجه الطبراني في "الكبير" برقم: (٦٤١٦) ج ٧، ص ٧٥ [دار إحياء التراث العربي، بيروت] والبيهقي في "شعب الإيمان" برقم: (١٥٠٥)، ج ٢، ص ٦٥٥ [دار الفكر، بيروت] واللفظ للبيهقي، كذا في "كنز العمال"، كتاب الإيمان، الفصل الثاني في فضل الإيمان والإسلام، ج ١، ص ٣٦ [مطبعة دار الكتب العلمية، بيروت]﴾

ترجمہ: نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے خود اس کی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اور میرا کنبہ اسے اپنے کنبے سے زیادہ محبوب نہ ہو اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو اور میری نسل اسے اپنی نسل سے زیادہ محبوب نہ ہو۔“

عَنْ عَلِيِّ بْنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((أَدَّبُوا أَوْلَادَكُمْ عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: حُبِّ نَبِيِّكُمْ، حُبِّ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ)).

﴿"الجامع الصغير" للسيوطي، حرف الهمزة، رقم الحديث: (٣١١)، ص ٢٥ [دار الكتب العلمية بيروت]﴾

ترجمہ حدیث: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنی اولاد کو تین خصلتوں کی تعلیم دو: اپنے نبی ﷺ کی محبت، ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کی تلاوت۔“

برادرانِ اسلام! حضرت علامہ امام نووی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وبالجملة أصل المحبة الميل إلى ما يوافق المحب، ثم الميل قد يكون لما يستلذه الإنسان، ويستحسنه كحسن الصورة والصوت والطعام ونحوها وقد يستلذه بعقله للمعاني الباطنة كمحبة الصالحين والعلماء وأهل الفضل مطلقاً، وقد يكون لإحسانه إليه، ودفعه المضار والمكاره عنه. وهذه المعاني كلها موجودة في النبي ﷺ لما جمع من جمال الظاهر والباطن، وكمال خلال الجلال، وأنواع الفضائل، وإحسانه إلى جميع المسلمين بهدايته إياهم إلى الصراط المستقيم، ودوام النعم، والإبعاد من الجحيم.

﴿"شرح صحيح مسلم للنووي"، الجزء الثاني، ١/ ١٤، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ..... إلخ [طبعة دار إحياء

التراث العربي، بيروت]﴾

ترجمہ: انسان اس چیز سے محبت کرتا ہے جس سے اس کے حواس کو لذت حاصل ہوتی ہے مثلاً حسین و جمیل صورتیں، اچھی آوازیں، مزے دار کھانے اور ان چیزوں سے بھی محبت کرتا ہے جن سے اس کی عقل کو لذت حاصل ہوتی ہو مثلاً علم و حکمت کی باتیں، تقویٰ و طہارت، علماء اور متقی لوگ اور کبھی وہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اس سے شر اور ضرر کو دور کرے محبت کے یہ تمام اسباب نبی ﷺ میں موجود ہیں حواس کی محبت کا سبب آپ کا سب سے زیادہ حسن و جمال ہے، عقل کی محبت کا سبب آپ کا سب سے زیادہ علم اور آپ کا سب سے زیادہ زہد و تقویٰ ہے اور اگر حسن سلوک اور دفعِ شر کی وجہ سے محبت ہو تو آپ محسنِ انسانیت ہیں آپ نے صراطِ مستقیم اور دوامِ نعیم کی ہدایت دی ہے اور جہنم کے عذاب سے بچایا ہے۔

ترجمہ ماخوذ از ”شرح صحیح مسلم“ (اردو) للعلامة غلام رسول السعيدى، ج ١، ص ٢٢٥ [مطبوعہ فرید بک اسٹال

پھر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں:

ان تمام محاسن اور فضائل کا مبداء اللہ عزوجل کی ذات ہے اس لیے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہونی چاہیے۔

”شرح صحیح مسلم“ للعلامة غلام رسول السعيدى، ج ۱، ص ۴۲۵۔

مزید فرماتے ہیں: ایک سوال یہ ہے کہ محبت ایک غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلف نہیں ہوتا تو رسول ﷺ کی محبت کا مکلف کرنا کس طرح صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک ”محبت طبعی“ اور دوسری ”محبت عقلی“ محبت طبعی غیر اختیاری ہوتی ہے جیسے ماں باپ، اولاد اور مال و دولت کی محبت اور ”محبت عقلی“ اختیاری ہوتی ہے محبت عقلی سے مراد یہ ہے کہ عقل محبوب چیز کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے اور یہ انسان کے اختیار میں ہے اور رسول ﷺ سے اسی قسم کی محبت کرنا فرض ہے یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ذات، اپنے ماں باپ، دیگر اقرباء اور مال و دولت کو رسول ﷺ کے حکم پر قربان کر دے جیسا کہ جنگ بدر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے اور حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے خلاف تلوار کھینچ کر نکل آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی خاطر صحابہ کرام اپنے وطن، اقرباء، مکانوں اور مال و دولت کو چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سارا مال رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ [نساء: ۶۶] اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: حضور اگر حکم دیں تو میں ابھی اپنی گردن کاٹ دوں، بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ ایمان کامل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت فرض ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت مطلقاً فرض ہے جس شخص میں رسول اللہ ﷺ کی محبت مطلقاً نہ ہو وہ مطلقاً مومن نہ ہوگا اور جس شخص میں کمال محبت نہ ہو وہ مومن کامل نہیں ہوگا۔

”شرح صحیح مسلم (اردو)“ للعلامة السعيدى، ج ۱، ص ۴۲۶۔

حقیقت میں کسی ایسی چیز کی جانب دل کے میلان کا نام محبت ہے جو اس کے موافق ہو یا اس کے ظاہری حواس کے ذریعے لذت اور ذوق حاصل کرنے کے لیے مرغوب ہو جس کی مختلف وجوہ اور اسباب ماقبل بھی بیان ہو چکے ہیں وہ سب اسباب سید السادات منبع البرکات علیہ افضل الصلاۃ واکمل التسلیمات میں ثابت و موجود ہیں اور حضور ﷺ ان تمام معنی کے جامع ہیں جو موجب محبت ہیں، رہا حضور اکرم ﷺ کا امت پر انعام و احسان فرمانا تو لطف و کرم، رحمت و شفقت، تعلیم کتاب و حکمت، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور نارِ جحیم سے رست گاری میں سے ہر ایک انعام و احسان قدر و منزلت میں کتنا اعظم و اجل ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے جتنے احسانات و اکرامات امت مسلمہ پر ہوئے ہیں کون ہے وہ جو اس افضال و اکرام میں از روئے منفعت و افادات اعم و اشمل ہے، اور اس صاحب فضل عظیم علیہ الصلاۃ و التسلیم کی جانب سے کتنا بڑا انعام و احسان جملہ مسلمانوں پر ہے کہ ہدایت کی طرف آپ ان کے وسیلہ و ذریعہ ہیں اور ان کی

فلاح و کرامت کے داعی ہیں اور پروردگارِ عالم عز و جل کے حضور ان کے شفیع و گواہ ہیں اور موجب بقائے دائم اور نعیم سرمدیوم قرار ہیں پس ستمس و امس کی طرح اظہر و ازہر ہوا کہ نبی مکرم نور مجسم ﷺ حقیقتاً بھی مستوجبِ محبت ہیں اور شرعاً و فطرۃً بھی۔

﴿تخلیص از "مدارج النبوة" (مترجم) ج ۱، ص ۵۱۵، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی﴾

برادرانِ اسلام! کتاب و سنت کی روشنی میں تحریراتِ علماء اسلام سے محبت کا معنی و مفہوم، اقسام و اسباب اور اس کی شرعی حیثیت پر گفتگو کرنے کے بعد اب ہم مخالفین کے اعتراضات پر کلام کرتے ہیں، سماعت فرمائیے:

مخالفین کا یہ کہنا ہے کہ ایک شخص نعت پڑھتا ہے اور محبت رسول کا دعویٰ کرتا ہے اگر آپ اسکرین پر اس کی صورت دیکھیں تو وہ کلین شیو ہوتا ہے۔

پھر مخالفین نے اپنے زعمِ فاسد میں ایک نعت شریف پڑھنے والے مسلمان سے مطلقاً محبت کی نفی کر دی اس کے بعد مخالفین نے ایک تصوراتی خاکہ مقلدینِ برادری کے سامنے بیان کرتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کی کہ غور کریں اگر کوئی غیر مسلم باہر ملک سے آ کر ایسے ڈاڑھی منڈے نعت خواں کو دیکھے گا تو وہ اپنے دل میں کیا سوچے گا؟

الجواب:

اولاً: ہم اسکرین دکھانے والوں سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ وہ غیر مسلم برطانیہ سے آئے گا یا امریکہ سے، کینیڈا سے آئے گا یا انڈیا سے البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ باہر سے غیر مسلم کو بلانے کی آخر کیا ضرورت تھی کیا پاکستان میں غیر مسلم آباد نہیں ہیں؟ ہمیں اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ مخالفین کو پاکستان میں رہنے والے مسلمان وہ تو مشرک نظر آتے ہیں مگر اس میں رہنے والے غیر مسلم نظر نہیں آتے

ثانیاً: یہ بات تو صحیح ہے کہ ڈاڑھی منڈا کر وہ اور گناہ ہے مگر ایسے شخص سے جو مسلمان ہوتے ہوئے ڈاڑھی منڈاتا ہے، محبت رسول ﷺ کی مطلقاً نفی کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللَّهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأَتَى بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللَّهُمَّ الْعَنهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتِي بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ، أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ)). (فيها "ما" زائدة أي: عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ).

﴿"صحیح بخاری"، کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر وإنه لیس بخمار، رقم

الحديث: (۸۶۶)، ص ۱۱۶۹، مطبوعہ دار السلام الرياض﴾

(وفي رواية): ((لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ)).

ترجمہ حدیث: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کہ عہد مبارک میں عبد اللہ نام کا ایک شخص تھا اس کو حمار کا لقب دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو شراب نوشی پر کوڑے لگائے تھے اس کو ایک دن پھر لایا گیا اور آپ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، یہ کس قدر اس جرم میں لایا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ)). یعنی اس کو لعنت مت کرو، اللہ کی قسم! تم کو نہیں معلوم،

یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

”شرح صحیح مسلم“ میں ہے: خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت اور اتباع کرتا ہے اس کو آپ سے کامل محبت ہے اور جس کی اطاعت اور اتباع میں کمی ہے اس کی محبت میں کمی ہے لیکن وہ محبت سے خالی نہیں ہے۔

”شرح صحیح مسلم“ (اردو) للمعلامة السعيدية، ج ۱، ص ۴۳۴۔

برادران اسلام! غور کیجئے اس حدیث بخاری میں ایک شراب پینے والے پر لعنت شخصی کرنے کی ممانعت اور ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا اثبات بھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ شراب نوشی کی جائے کیونکہ شراب کا پینا حرام ہے البتہ مخالفین کے لیے یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ شراب پینے پر بھی محبت رسول ﷺ کی نفی نہیں کی گئی حیرت ہے ان پر جو ڈاڑھی منڈانے والے سے مطلقاً محبت رسول ﷺ کی نفی کریں اور اہلحدیث ہونے کا دعویٰ بھی کریں۔

ہاں! محبت رسول ﷺ کی مطلقاً نفی کرنے کے بجائے یہ کہا جاتا ہے کہ علامات محبت سے ایک علامت یہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس کی اطاعت و اتباع کی جائے لہذا ڈاڑھی بھی رکھو اور نعت شریف بھی پڑھو تو دوسری بات ہوتی۔

ثالثاً: مخالفین کو چاہیے تھا کہ خرابی کا رد کرتے نہ کہ نعت خوانی کا ظاہر ہے کہ ناک پر مکھی بیٹھ جائے تو اسے اڑایا جاتا ہے نہ یہ کہ ناک کو ہی سرے سے اڑا دیا جائے پس اگر اشعار اچھے مضامین پر مشتمل ہوں تو ان کا لکھنا پڑھنا درست ہے لہذا ہر دُفعِل کی تردید کرنے کے بجائے اگر لکھنے پڑھنے والے کی ذات میں کوئی عملی یا اعتقادی برائی ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

رابعاً: ہم مخالفین کی بسلسلہ نعتیہ اشعار بطور اختصار کتاب و سنت کی روشنی میں راہنمائی کرتے ہیں کاش! آپ تنقید برائے تنقید چھوڑ کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴿الحشر: ۷﴾

ترجمہ: اور رسول جو تمہیں دیں تو وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکیں تو اس سے رک جاؤ۔

بسلسلہ اشعار جواز اور عدم جواز کی پہچان کا اصول معلّم کائنات، فخر موجودات، نبی اکرم، نور مجسم ﷺ نے اپنے فرمانِ ذیشان میں امتِ مسلمہ کو مرحمت فرمایا چنانچہ امام شافعی، امام دارقطنی اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ هَاشِمٍ السَّمْسَارِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَظِيمِ بْنُ حَبِيبٍ بْنُ رَغْبَانَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ذُكِرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الشِّعْرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ، وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ)).

﴿أَخْرَجَهُ الدارقطني في "السنن"، كتاب الوكالة، باب خبر الواحد يوجب العمل، برقم: (٤٢٦١)، ص ١٨٣ [مطبوعة نشر السنة، ملتان]، والبيهقي في "السنن الكبرى" (٢٣٩/١٠)، [مطبوعة إدارة تاليفات أشرفيه، ملتان] وروى الإمام الشافعي عن عروة مرسلاً كما في "مشكاة المصابيح"،

كتاب الآداب، باب البيان والشعر، رقم الحديث: (٤٨٠٦)، ٣٧/٣ [مطبوعة دار الفكر، بيروت]. ﴿

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ، وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ))۔

ترجمہ: وہ ایک کلام ہے اچھا شعر اچھا ہے اور بُرا شعر بُرا ہے۔

داعی الی الاسلام، سید الانام محمد رسول اللہ ﷺ نے اس جامع کلام میں شعری معائب و محاسن کی تعیین و تشخیص کے لیے ایک کامل میزان اور اعلیٰ کسوٹی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جس میں تول کر اور پرکھ کر اشعار مذمومہ و محمودہ اور ممنوعہ و ماذونہ کو بخوبی پہچانا جاسکتا ہے گویا یہ شعری حسن و قبح کے مابین ماہہ الامتیاز ہے یعنی اشعار کی اچھائی یا برائی ان کی مضامین پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اشعار جو نبی کریم ﷺ کے مدحت سرائی پر مشتمل ہوں ان کے حسن پر اہل ایمان میں سے کس کوشبہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے معجزات و خصوصیات آپ کے مناقب و محاسن، فضائل و شمائل و خصائل اور رسالت و سیادت وغیرہا کے حوالہ سے جذبہ عشق و محبت میں ڈوب کر مدحت سرائی کرنا باعث اجر و ثواب اور دنیا و آخرت کی سعادت ہے بلکہ آپ کے بدخواہوں کی بصورت اشعار تردید کرنا بھی موجب اجر عظیم ہے جو دربار رسالت مآب کے شاعر صادق حضرت حسان بن ثابت ؓ کے کلام سے اظہر من الشمس ہے:

هَجَوْتُ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ
وَعَنْنَدَ اللَّيْلِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءِ

﴿"صحیح مسلم"، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، رقم الحديث: [۶۳۹۵] - ۱۵۷ - (۲۴۹۰)، ص ۱۰۹ [مطبوعة دار

السلام، الرياض].﴾

ترجمہ: (اے بدخواہ و گستاخ) تو نے محمد ﷺ کی مذمت کی تو میں ان کی طرف سے جواب دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں بڑی جزاء اور اجر عظیم ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمن نے اپنے نعتیہ کلام میں حضرت حسان بن ثابت ؓ کے اس طریق حسن کو اختیار کیا ہے ان کی نعتیہ شاعری کی صفات امتیاز یہ سے ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ نعت گوئی میں وہ جس احتیاط و ادب شناسی کی منزل سے گزرے ہیں وہ لا جواب ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم سے نعت گوئی سیکھی اور حضرت حسان ؓ جیسے آشنائے منزل کو خضر راہ بنایا ہے۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہیں احکام شریعت ملحوظ
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت حسان بن ثابت ؓ کے ذکر کردہ شعر سے بخوبی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے بدخواہوں اور گستاخوں کا بصورت اشعار رد

کرنا بھی باعثِ اجر و ثواب ہے نیز اس پر نبی کریم ﷺ کا راضی ہونا بھی اسی حدیث ”مسلم“ سے ثابت ہے، الغرض سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ صادقہ ایک مؤمن کے لیے سرمایہ حیات ہے جس کے اظہار کا ایک طریقہ حسنہ بصورتِ نعت، ابتدائے اسلام سے امتِ مسلمہ میں جاری و ساری ہے یہی وجہ ہے کہ نعتِ رسول ﷺ اسلامی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے، صحابہ کرام ﷺ کا اشعار سنانا خواہ وہ نعت شریف کے ہوں یا کسی دوسرے عنوان کے اور نبی کریم ﷺ کا ان کو سننا ہر دو عمل کا ثبوت حدیث شریف سے ملتا ہے چنانچہ ”صحیح مسلم“ میں ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَدَفْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: ((هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمِّيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ شَيْءٍ؟))، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ((هِيَ))، فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ: ((هِيَ))، ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ: ((هِيَ))، حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ.

﴿”صحیح مسلم“، کتاب الشعر، باب فی إنشاد الأشعار و بیان أشعر الکلمة و ذم الشعر، رقم الحدیث: [۵۸۸۵] ۱- (۲۲۵۵)، ص ۱۰۰۰ [مطبوعة دار السلام الرياض].﴾

ترجمہ حدیث: حضرت عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا تم کو امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں سے کچھ شعر یاد ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: سناؤ! میں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سناؤ! میں نے ایک اور شعر سنایا، آپ نے فرمایا: اور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے سوا اشعار سنائے۔ حضرت علامہ امام نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ففيه جواز إنشاد الشعر الذي لا فحش فيه، وسماعه، سواء شعر الجاهلية وغيرهم. ﴿”صحیح مسلم بشرح النووي“، الجزء الخامس عشر، ص ۱۲ [دار إحياء التراث، بيروت].﴾

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اشعار خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا لکھنا، پڑھنا اور سننا جائز ہے خواہ وہ زمانہ جاہلیت کے اشعار ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ امیہ بن ابی الصلت کے ﴿14﴾ اشعار زمانہ جاہلیت کے تھے۔ آخر میں حضرت علامہ امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وقال العلماء كافة: هو مباح ما لم يكن فيه فحش ونحوه. قالوا: وهو كلام، حسنه حسن، وقبيحه قبيح. وهذا هو الصواب؛ فقد سمع النبي ﷺ الشعر، واستنشدته، وأمر به حسن في هجاء المشركين، وأنشده أصحابه بحضرته في الأسفار وغيرها، وأنشده الخلفاء وأئمة الصحابة وفضلاء السلف، ولم ينكره أحد منهم على إطلاقه، وإنما أنكروا المذموم منه، وهو الفحش ونحوه. ﴿”صحیح مسلم بشرح النووي“، الجزء الخامس عشر، ص ۱۳ [دار إحياء التراث، بيروت].﴾

مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اشعار کا پڑھنا اچھا ہے اور بُرے اشعار کا پڑھنا بُرا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سفر اور غیر سفر میں صحابہ کرام کے سامنے اشعار سننے کی فرمائش کی اور مشرکین کی مذمت میں حضرت حسان بن ثابت ؓ اشعار پڑھنے کا حکم دیا اور خلفائے راشدین، اعظم صحابہ، ائمہ اور سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ مطلقاً شعر پڑھنا مذموم ہے بلکہ یہی کہا کہ جن اشعار میں فحش مضمون یا ملحدانہ خیالات کا اظہار ہو تو وہ مذموم ہیں۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ لَا رَبَّ غَيْرَهُ
وَأَنْتَ مَأْمُونٌ عَلَى كُلِّ غَايِبٍ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔
حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَصَحِّحَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، وَقَالَ لِي: ((أَفْلَحْتَ يَا سَوَادُ)).

یعنی رسول اللہ ﷺ یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے، آپ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور آپ نے فرمایا: ((أَفْلَحْتَ يَا سَوَادُ)). ”اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔“

اس حدیث کو بکثرت علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، اسماء علماء و کتب کے حوالہ جات ”شرح صحیح مسلم“، جلد پنجم، صفحہ ۱۱۷ سے ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) رواہ الإمام أبو نعيم في ”دلائل النبوة“، ۱/۱۱۴ [مطبوعة دار النفائس]
- (۲) والإمام البيهقي في ”دلائل النبوة“، جماع أبواب المبعث، ۲/۲۵۱ [دار الكتب العلمية، بيروت]
- (۳) وابن عبد البر في ”الاستيعاب“ على هامش ”الإصابة“، ۲/۱۲۴ [مطبوعة دار الفكر، بيروت]
- (۴) ومحمد بن جرير الطبري في ”جامع البيان“، ج ۵، ص ۲۷۵ [مطبوعة مصطفى البابي، مصر]
- (۵) والسهيلى في ”الروض الأنف“، ص ۱، ص ۱۴۰ [مطبوعة مكتبة فاروقيه، ملتان]
- (۶) والجوزي في ”الوفاء بأحوال المصطفى“، ج ۱، ص ۱۵۳ [مطبوعة مكتبة نوريه رضويه، لائل پور]
- (۷) وابن كثير في ”السيرة النبوية“، ص ۱، ص ۳۴۶ [مطبوعة دار إحياء التراث العربي، بيروت]
- (۸) والعيني في ”عمدة القاري“، ج ۱۷، ص ۸ [إدارة الطباعة المنيرية، مصر]
- (۹) والسيوطي في ”الخصائص الكبرى“، ج ۱، ص ۱۰۲ [مطبوعة نوريه رضويه، لائل پور]
- (۱۰) وبرهان الدين الحلبي في ”إنسان العيون“، ج ۱، ص ۳۲۴ [مطبوعة مصطفى البابي، مصر]
- (۱۱) والشيخ عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب في ”مختصر سيرة الرسول“ ج ۵، ص ۲۷۵ [مطبوعة سلفيه، لاهور]

مخالفین کو چاہیے کہ لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کریں، افتراق و انتشار اور مخالفت و منافرت کی فضاء قائم نہ کریں۔

خامساً: باقی رہی مخالفین کی یہ بات کہ ایک ڈاڑھی منڈھے نعت خواں کو دیکھ کر باہر ملک سے آنے والا کیا سوچے گا؟

غیر مسلم کی سوچ کی فکر تو مخالفین کریں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص بوقت نماز کسی مسجد اہلحدیث میں داخل ہو اور صفوں کے ڈاڑھی منڈھے غیر مقلدین حضرات کو بھی کھڑے ہوئے دیکھے تو وہ کیا سوچے گا اس کا جواب مخالفین کے ذمہ ہے مگر نعت خواں والا بیان پیش نظر رہے۔

یونہی ملک پاکستان میں ظاہراً عملی اعتبار سے کچھ مسلمان کامل ہیں تو کچھ مکمل اور کچھ مسلمان ناقص ہیں تو کچھ ناقص، حقیقت حال

اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، اب مخالفین بتائیں کہ کوئی غیر مسلم خواہ خارجی ہو یا داخلی، ناقص و ناقص مسلمین کو دیکھ کر کیا سوچے گا؟ کیا اس مقام پر بھی مخالفین اسلام کا رد کریں گے جس طرح انہوں نے محفل نعت کا رد کیا ہے یا یہ کہیں گے کہ اسلام تو مذمت سے بری ہے البتہ خلاف شرع کام کرنے والے مسلمان اپنے افعال پر مورد الزام ہیں، اگر یہی دوسری بات کہیں گے تو چاہیے کہ پھر محفل نعت کے متعلق بھی یہی کہیں کہ شرع کے مطابق نعت خوانی تو احادیث سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا سننا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پڑھنا بھی ثابت ہے البتہ اگر اس میں کوئی خلاف شرع بات داخل کر دی جائے تو وہ ضرور قابل مذمت ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں، مخالفین بھی اسی روش کو اختیار کریں کہ یہ کتاب و سنت کے مطابق ہے اور یہی ہماری تبلیغ ہے البتہ ماننا یا نہ ماننا مخالفین کی مرضی پر موقوف ہے۔

مخالفین کا یہ کہنا کہ محبت کا وہی طریقہ جائز اور درست ہوگا جو کتاب و سنت سے ثابت ہوگا۔

الجواب: بلاشبہ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اظہار محبت کے وہ طریقے جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں ان پر عمل کرنا دنیا و آخرت کی کامیابی ہے مگر مخالفین کا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جو طریقہ محبت کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو تو وہ غیر معتبر ہے اور ناقابل عمل ہے ہم مخالفین کے نتیجہ سے حاصل شدہ اس دعویٰ ہی کو غیر معتبر اور ناقابل التفات سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ بلا دلیل اور اختراعی ہے اگر ان کے پاس اس پر دلیل صحیح ہے تو بتائیں ورنہ اپنا دعویٰ اپنے پاس ہی رکھیں کیونکہ ہم ایسا من گھڑت دعویٰ سننے کے روادار نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ ﴿الحشر: ۷﴾

ترجمہ: اور جو رسول تمہیں دیں تو وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں تو اس سے رک جاؤ۔

معلوم ہوا کہ جس کام کا نہ حکم دیا نہ منع کیا وہ نہ واجب ہے نہ گناہ پس جاننا چاہیے کہ جو طریق محبت کتاب و سنت سے ثابت ہے وہ ضرور قابل عمل ہے اور جو کتاب و سنت میں منع ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا اگرچہ سجدہ کرنے والا کتنی ہی اعلیٰ محبت کا دعویٰ کرے مگر اس کے باوجود یہ طریق محبت مردود و باطل اور ضرور ناقابل عمل ہے باقی رہی تیسری صورت کہ نہ اس کا حکم ہے اور نہ اس سے منع کیا یعنی وہ طریق محبت جس سے کتاب و سنت نے سکوت کیا ہے اس سے متعلق کیا حکم ہے؟ غور سے سنئے! اس تیسری صورت کے متعلق امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ”فتح الباری“ شرح ”صحیح البخاری“ میں لکھتے ہیں:

﴿إِنْ كَانَتْ مِمَّا تَنْدَرُجُ تَحْتَ مُسْتَحْسَنٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَإِنْ كَانَتْ مِمَّا تَنْدَرُجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ مُسْتَقْبَحَةٌ وَإِلَّا فَهِيَ مِنْ قِسْمِ الْمُبَاحِ﴾

﴿”فتح الباری“، ج ۴، ص ۲۹۴ [طبعة دار الحديث، القاهرة]﴾

اگر وہ ایسی چیز کے تحت ہے جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے تحت ہے جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو ان دونوں کے تحت نہ ہو تو وہ مباح قسم سے ہے یعنی اس کا کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہے۔

مگر مخالفین کے نزدیک یہ قسم غیر معتبر اور سر اسرنا قابل عمل ہے اور اس پر عمل کرنا عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

خوب یاد رکھئے! محفل میلاد ہو یا نعت خوانی، چراغاں ہو یا جلوس کی شکل میں کسی مقام پر پہنچنا تا کہ علماء کی تقریر سے استفادہ کریں،

یہ امور قرونِ ثلاثہ میں اپنی مروجہ صورت میں بعینہ موجود نہ تھے مگر ان کی اصل ضرورتی ہے اور یہ تمام کام محبتِ رسول اور تعظیمِ رسول ﷺ کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اور محبت و تعظیمِ رسول، کتاب و سنت سے اظہر من الشمس ہے پس یہ امور ایسی چیز کے تحت ہیں جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے لہذا محض قرونِ ثلاثہ میں ان کا ثبوت نہ ہونے سے ان کا باطل و مردود ہونا لازم نہیں ہے اگر مخالفین اپنی بات کا بھرم رکھنا چاہتے ہیں تو ان امور کی مذمت، کتاب و سنت سے بتائیں ورنہ شور مچانے کے بجائے اپنی زبانوں کو لگام ڈالیں۔

جب ہم نے امام مالک علیہ الرحمہ کے افعالِ حسنہ سے اپنے موقف کی تائید کی تو مخالفین نے اس پر بے جالب کشائی کی لہذا اس سلسلے میں کچھ بیان کرنے سے قبل بطور اختصار امام مالک علیہ الرحمہ کا ذکر خیر کرتے ہیں سماعت فرمائیے۔

امام مالک علیہ الرحمہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں اسی کو صحیح ترین قول قرار دیا ہے۔

﴿تذکرۃ الحفاظ، رقم الترجمة: (۱۹۹)، ترجمة مالك بن أنس، ج ۱، ص ۱۵۴ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے ”درایۃ الموطأ“ پر لکھا کہ امام مالک کے پردادا حضرت ابو عامر بن عمرو رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی تھے۔ ﴿تسهيل دراية الموطأ للإمام ولي الله الدهلوي، ص ۷۹۰ [قديمي كتب خانہ، کراچی].﴾

اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے ”تہذیب التہذیب“ میں لکھا کہ امام نسائی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تبع تابعین

کی ایک جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم کوئی شخص نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی شخص حدیث میں مامون تھا۔ ﴿تہذیب

التہذیب، رقم الترجمة: ۶۶۸۵، مالك بن أنس، ۹/۸ [دار الفكر بيروت].﴾

امام مالک علیہ الرحمہ کا وصال ۱۷۹ھ میں ہوا جیسا کہ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں مرقوم ہے۔

﴿تذکرۃ الحفاظ، رقم الترجمة: (۱۹۹)، مالك بن أنس، ج ۱، ص ۱۵۴.﴾

برادرانِ اسلام! تاریخِ محدثین ہو یا تاریخِ فقہاء و مجتہدین ہر ایک میں امام مالک علیہ الرحمہ کا طویل ذکر خیر ملتا ہے اور عشاقِ

رسول ﷺ کے عنوان سے مرتب کی گئی تاریخِ شہادت دیتی ہے کہ تبع تابعین میں امام مالک ان کے سرخیل ہیں چونکہ ”امام مالک اور عشقِ

رسول“ ایک مستقل عنوان ہے فی الحال اس پر گفتگو کرنا ہمارا مقصود و مطلوب نہیں ہے برکت کے لئے چند باتیں امام مالک علیہ الرحمہ سے

متعلق آپ کے گوش گزار کی گئی ہیں تاکہ آپ کو اس شخصیت کے بارے میں کچھ معلومات ہو جائے جن کے افعال سے ہم نے اپنے موقف

کی تائید کی تو مخالفین نے صحیح بات تسلیم کرنے کے بجائے محض قیاس آرائیوں سے کام لیا۔

ہو سکتا ہے کہ اس طرح انہوں نے اپنی برادری کو رام کر لیا ہو مگر عقل سلیم رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ایسی قیاس آرائیاں عقل

سے عاری اشخاص سے متصور ہو سکتی ہیں اور یہ حقیقت ہے جس کا اندازہ آپ ہمارا جواب سن کر لگالیں گے۔

ہماری ان معروضات کو سننے کے بعد آپ نے اس بات کو ذہن میں بسالیا ہوگا کہ امام مالک علیہ الرحمہ تبع تابعین میں سے ہیں اس

کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شخصیت قرونِ ثلاثہ (عہد رسالت و صحابہ و تابعین) سے نہیں ہے اور امام مالک کا سیرت نگار خواہ سنی ہو، دیوبندی

ہو یا غیر مقلد نجدی ہر ایک نے آپ کے وہ معمولات جو نبی کریم ﷺ کے عشق پر مبنی تھے ضرور قلم بند کیے ہیں مثلاً آپ کا مدینہ میں برہنہ پا

چلنا، سواری پر سوار نہ ہونا اور حرمِ مدینہ میں قضائے حاجت نہ کرنا وغیرہ۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے ان معمولات سے ہم پر وارد شدہ الزام کو باطل کرنے کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر بقول مخالفین ہر وہ کام جو قرونِ ثلاثہ (عہدِ رسالت و صحابہ و تابعین) سے ثابت نہ ہو بدعتِ سیئہ، گمراہی اور دخولِ جہنم کا باعث ہے تو امام مالک علیہ الرحمہ پر اعتراض ہوگا کہ ان کے یہ کام بھی قرونِ ثلاثہ میں ثابت نہ تھے تو کیا معاذ اللہ! مخالفین کے نزدیک امام مالک گمراہ اور جہنمی ہیں اگر مخالفین اس کا اقرار کریں تو یہ باطل و مردود ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اہل اسلام نے امام مالک علیہ الرحمہ کو بالاتفاق حدیث و فقہ کا امام تسلیم کیا ہے نہ کہ گمراہ اور جہنمی۔

اور اگر مخالفین امام مالک علیہ الرحمہ کے گمراہ اور جہنمی ہونے کا انکار کریں تو پھر ان افعال پر ہمیں گمراہ اور جہنمی بنانے کی تردید ہو جائے گی جو بہ ہیئتِ کذا یہ (موجودہ حالت میں) قرونِ ثلاثہ میں ثابت نہ تھے۔

اولاً: یہ بات مخالفین کے اختراعی قاعدہ کے بطلان سے متعلق بیان ہوئی ہے۔

ثانیاً: ہم پوچھتے ہیں کہ مخالفین کا یہ قاعدہ بیان کرنا کہ وہ ہر کام جو قرونِ ثلاثہ (عہدِ رسالت و صحابہ و تابعین) سے ثابت نہ ہو وہ بدعتِ سیئہ، گمراہی اور دخولِ جہنم کا باعث ہے۔

کونسی آیت قرآن یا حدیثِ حبیبِ رحمن سے ثابت ہے؟ اگر ثابت نہیں اور ہرگز ثابت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مخالفین کا علی الاطلاق ذکر کردہ یہ قاعدہ ہی اختراعی اور من گھڑت ہے۔

ثالثاً: ہم یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ امام مالک علیہ الرحمہ کے ذکر کردہ معمولات قرونِ ثلاثہ میں ثابت نہ بھی ہوں مگر ان کی اصل تو شریعتِ مطہرہ میں ملتی ہے اور وہ تعظیم و محبتِ رسول ہے کیونکہ امام مالک علیہ الرحمہ کا ان افعال مذکورہ پر عمل پیرا ہونے کی بنیاد بلاشبہ تعظیم و محبتِ رسول ﷺ پر تھی نیز یہ افعال خلافِ شرع بھی نہ تھے اور یہ بات اظہر من الشمس و أبین من الأمس ہے کہ تعظیم و محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاکید و اہمیت، کتاب و سنت میں جا بجا آئی ہے لہذا یہ کام اگرچہ بدعت (نئے) ہی کیوں نہ ہوں مگر قابلِ اعتراض نہیں بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہوں گے کیونکہ ان کی بنیاد یعنی محبتِ مصطفیٰ اور تعظیمِ محبتی ﷺ ہے جو کتاب و سنت سے ظاہر و باہر (روشن) ہے۔

مخالفین کا یہ کہنا کہ پہلے امام مالک جیسا بننا پڑے گا پھر ان کے جیسے افعال کرنا اور ان کے افعال سے استدلال کرنا درست ہوگا۔

اس بات پر.....

اولاً: ہم یہ کہتے ہیں کہ غالباً مخالفین یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی امام مالک جیسا بن جائے تو اس کے لیے ان افعال کا کرنا جائز و درست ہوگا ورنہ نہیں گویا مخالفین نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ امام مالک جیسی ہستی کو ان افعال کا کرنا بھی جائز و روا تھا جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین عظام سے ثابت نہیں تھے حالانکہ یہ نظریہ خود مخالفین کے اپنے قاعدہ کے خلاف ہے۔

ثانیاً: امام مالک علیہ الرحمہ جیسا بننے والے کے لئے یہ افعال جائز اور جو ان جیسا نہ بن سکے اس کے لئے یہ افعال ناجائز اب مخالفین بتائیں کہ یہ قاعدہ وہابیہ ہے یا کسی آیت یا حدیث سے ثابت شدہ ہے؟ اور جب یہ قاعدہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہے تو واضح ہوا کہ یہ قاعدہ جدیدہ دراصل قاعدہ وہابیہ ہے جو اہل اسلام پر حجت نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً: مخالفین کے اس قاعدہ جدیدہ کے مطابق امام مالک علیہ الرحمہ کو بھی غور و فکر کرنا چاہیے تھا کہ جب میرا جیسا نہ ہونے والے کے لئے ان افعال کا کرنا جائز نہیں ہے تو میں بھی ان کو کیوں کروں؟

رابعاً: امام مالک علیہ الرحمہ کے بعد والوں کو بھی یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ جب ہم امام مالک جیسے نہیں تو ہمارے لئے ان افعال کا کرنا بالکل جائز نہیں مگر امام مالک بھی تو صحابہ کرام جیسے مقام و مرتبہ والے نہ تھے تو پھر انہوں نے اس کے باوجود یہ کام آخر کیوں کیے؟
برادران اسلام! صحیح بات یہ ہے کہ ایسی باتیں محض قیاس آرائی اور خیالی پلاؤ کا پلندا اور اُمتِ مسلمہ کو افتراق و انتشار میں محصور کرنے کا پھندا ہے۔

مخالفین نے امام مالک علیہ الرحمہ کا ایک قول بیان کر کے یہ باور کرانا چاہا کہ امام مالک علیہ الرحمہ خود اس بات کی مخالفت و مذمت کرتے ہیں کہ کوئی نیا کام ایجاد کیا جائے۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے اس قول کا مفہوم اگر وہی ہے جو ائمہ اسلام نے بیان کیا ہے تو یہ قول نہ ہمیں مضر اور نہ مخالفین کو مفید اور قول امام مالک کا مفہوم اگر وہ ہے جو مخالفین ظاہر کرتے ہیں تو گویا انہوں نے معاذ اللہ! امام مالک کو گمراہ، بدعتی کے ساتھ منافق بھی بنا ڈالا کیونکہ یہ بات علاماتِ نفاق سے ہے کہ کہنا کچھ اور کرنا کچھ، مخالفین کا اندازِ خطابت اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے (نعوذ باللہ)، امام مالک علیہ الرحمہ کے متعلق یہ بات مخالفین کے آزادانہ خیالات میں ہی داخل ہو سکتی ہے ہم تو اس بات کے تصور سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اب ہم امام مالک علیہ الرحمہ کے ضمن میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کے پاکیزہ حالات سے نبی مکرمؐ نور مجسم ﷺ کی تعظیم و توقیر، ادب و محبت اور حصول برکت کے چند مظاہر بیان کرتے ہیں اگرچہ تاریخ اسلام اس باب میں ان کے صد ہا واقعات سے درخشاں ہے۔

(۱) وَرَوَى الْبَغَوِيُّ وَابْنُ مَنْدَهٍ مِنْ طَرِيقِ عُمَرَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الصُّرْمِ: حَدَّثَنِي: جَدِّي عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهُ: (أَيُّنَا أَكْبَرُ أَنَا أَوْ أَنْتَ؟)، قَالَ: أَنْتَ أَكْبَرُ وَأَخِيرُ مِنِّي وَأَنَا أَقْدَمُ سِنًا وَغَيْرَ اسْمِهِ فَسَمَاهُ سَعِيداً وَقَالَ: ((الصُّرْمُ قَدْ ذَهَبَ)).

﴿الإصابة في تمييز الصحابة﴾، ترجمة: سعيد بن يربوع، رقم الترجمة: (۳۳۰۲)، ج ۳، ص ۹۷ [دار الكتب العلمية، بيروت].

ترجمہ حدیث: حضرت سعید بن یربوع قرشی مخزومیؓ کا نام صرم تھا (اہل انساب کے نزدیک ان کا نام اصرم اور محدثین کرام کے نزدیک صرم معروف ہے رضوی) ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ”ہم میں سے کون بڑا ہے، میں یا تو؟“ انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور نیک ہیں، میں عمر میں آپ سے زیادہ ہوں، یہ سن کر آپ نے ان کا نام بدل دیا اور فرمایا کہ تم سعید ہو۔

برادران سلام! غور فرمائیے کہ وہ صحابی جن کا نام صرم یا اصرم تھا ان کے پاس اس اندازِ تکلم کی کیا دلیل تھی؟ جب نبی کریم ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھ سے بڑے اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ سے زیادہ ہوں۔

کیا اس اندازِ گفتگو پر ان کے پاس قرآن سے نص صریح تھی یا حدیث سے نص صریح تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ تقاضائے محبت اور تعظیم رسول ﷺ نے انہیں اس اندازِ بیان کی طرف مائل کیا کیونکہ وہ اس بات سے باخبر تھے کہ قرآن اور خود صاحب قرآن نے مطلقاً محبت و تعظیم

رسول کا درس دیا ہے لہذا ہر وہ طریق محبت اور ہر وہ طریق تعظیم جو خلاف شرع نہ ہو اس کو بجا لانا کتاب و سنت کے تحت ہے اگرچہ بعینہ وہ طریقہ کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو یہی پاکیزہ خیال اور صاف ستھری سوچ تھی جس نے ان کو اس انداز تعظیم و محبت پر ابھارا اور نبی کریم ﷺ نے تائید فرماتے ہوئے ان کا نام بدل کر سعید (خوش بخت) رکھ دیا اور یہ اہل محبت کے لئے ایک بشارت عظمیٰ ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے ضمن میں دیئے گئے اس درس کو آئندہ بیان ہونے والے تمام واقعات میں ملحوظ خاطر رکھا جائے بخوف طوالت ہم بقیہ واقعات بغیر درس کے بیان کریں گے۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ و عونہ۔

(۲) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَزَلَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السُّفْلِ وَأَبُو أَيُّوبَ فِي الْعُلُوِّ قَالَ: فَانْتَبَهَ أَبُو أَيُّوبَ لَيْلَةً فَقَالَ: نَمَشِي فَوْقَ رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَنَحَّوْا فَبَاتُوا فِي جَانِبٍ ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: (السُّفْلُ أَرْفَقُ) فَقَالَ لَا أَعْلُو سَقِيفَةً أَنْتَ تَحْتَهَا فَتَحَوَّلَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْعُلُوِّ وَأَبُو أَيُّوبَ فِي السُّفْلِ فَكَانَ يَصْنَعُ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فَإِذَا جِيَءَ بِهِ إِلَيْهِ سَأَلَ عَنْ مَوْضِعِ أَصَابِعِهِ فَيَتَّبَعُ مَوْضِعَ أَصَابِعِهِ.

﴿”صحیح مسلم“، کتاب الأُشریة، باب إباحة أكل الثوم، الرقم: [۵۳۵۸] ۱۷۱ (۲۰۵۳)، ص ۹۱۶﴾

ترجمہ حدیث: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے اور نجلی منزل میں رہے اور حضرت ابوایوب اوپر والی منزل میں تھے ایک رات حضرت ابوایوب بیدار ہوئے تو خیال کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر کے اوپر چل رہے ہیں سو وہ آپ کی جانب سے ایک طرف ہٹ گئے اور دوسری جانب سو گئے پھر صبح کو نبی ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: نجلی منزل میں زیادہ سہولت ہے حضرت ابوایوب نے کہا: میں اس چھت کے اوپر نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہوں تب نبی ﷺ اوپر کی منزل میں تشریف لے آئے اور حضرت ابوایوب نجلی منزل میں آگئے۔ حضرت ابوایوب نبی ﷺ کے لئے کھانا تیار کرتے تھے، جب سرکار کا پس خوردہ (بچا ہوا کھانا) ان کے پاس لایا جاتا تو وہ پوچھتے کہ حضور نے کس جانب سے کھایا ہے اور کس جگہ آپ کی انگلیاں لگی تھیں پھر وہ آپ کے لگنے کی جگہ سے کھاتے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ (وَالْحَدِيثُ طَوِيلٌ وَفِيهِ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ:) فَرَجَعْتُ إِلَى أَسْمَاءَ فَخَبَّرْتُهَا فَقَالَتْ: هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَخْرَجْتُ إِلَيَّ جُبَّةَ طَيَالِسَةَ كِسْرَوَانِيَّةٍ، لَهَا لَبْنَةٌ دِيْبَاجٍ، وَفَرَجِيهَا مَكْفُوفِينَ بِالْدِّيْبَاجِ، فَقَالَتْ: هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبِضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى لِنَسْتَشْفِيَ بِهَا.

﴿”صحیح مسلم“، کتاب اللباس والزینة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، رقم الحديث:

(۵۴۰۹) ۱۰ (۲۰۶۹) ص ۹۲۶ [دار السلام، الرياض]﴾

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے آپ نے کہا کہ یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اسے لے لیا، نبی ﷺ اسے پہنا کرتے تھے ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لئے شفاء طلب کرتے ہیں۔

(۴) رَوَى يَحْيَى عَنْ ابْنِ الزَّنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْمَجْلِسِ، وَيَضَعُ رِجْلَيْهِ عَلَى الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ، فَلَمَّا وَلِيَ أَبُو بَكْرٍ ﷺ قَامَ عَلَى الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ، وَوَضَعَ رِجْلَيْهِ عَلَى الدَّرَجَةِ السُّفْلَى، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ ﷺ قَامَ عَلَى الدَّرَجَةِ السُّفْلَى، وَوَضَعَ رِجْلَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَعَدَ.

﴿"وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى"، الجزء الثاني، الفصل الرابع في خبر الجذع الذي كان ﷺ يخطب إليه واتخاذ المنبر، ص ۳۹۸ [مطبوعة دار إحياء التراث، بيروت].﴾

نبی کریم ﷺ کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔ حضور سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے اور درمیانی درجہ پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اپنے عہد خلافت میں پیاس ادب درمیانی درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں سب سے نیچے کے درجہ پر رکھتے حضرت عمر فاروق اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجہ پر کھڑے ہوتے اور جب بیٹھتے تو پاؤں زمین پر رکھتے۔

”کشف الغمہ“ میں ہے:

(۵) فَلَمَّا جَاءَ عُثْمَانُ ﷺ زَادَ دُرَجَ الْمَنْبَرِ وَصَارَ يَقِفُ عَلَى أَوَّلِ الزِّيَادَةِ خَلْفَ ظَهْرِهِ ثَلَاثَ دُرَجٍ فَوْقَهُ أَدْبًا مِنْهُمْ ﷺ ترجمہ: جب حضرت عثمان غنی کا عہد آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیئے پھر (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) کے ادب کے پیش نظر وہ اوپر کے تینوں درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجے پر کھڑے ہوا کرتے تھے، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

﴿"کشف الغمۃ عن جمیع الأئمۃ"، کتاب الصلاة، فصل فی الاذان والخطبة وغیرہما، الجزء الأول، ص ۱۸۷ [مطبوعة دار الفكر بیروت].﴾

”شفاء شریف“ میں ہے:

(۶) وَرُئِيَ ابْنُ عُمَرَ وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى مَقْعَدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَهَا عَلَى وَجْهِهِ.

”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى“، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه عليه الصلاة والسلام، الباب

الثالث في تعظيم أمره، فصل: ومن إعظامه ﷺ وإكباره.....، ج ۲، ص ۳۶ [مطبوعة دار الكتب العلمية بيروت].

اور ”طبقات ابن سعد“ میں ہے:

أخبرنا محمد بن إسماعيل بن أبي فديك قال: أخبرني ابن أبي ذئب عن حمزة بن أبي جعفر عن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عبد القارئ أنه نظر إلى ابن عمر وضع يده على مقعد النبي ﷺ من المنبر ثم وضعها على وجهه.

﴿"الطبقات الكبرى" لابن سعد، ذكر منبر رسول الله ﷺ، ۱/۱۷۳ [طبعة دار الفكر بيروت].﴾

دونوں عبارتوں کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ انہوں نے منبر منیف میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔

(۷) ویروی عن یحیی بن سعید شیخ مالک أنه حیث أراد الخروج إلى العراق جاء إلى المنبر فمسحه ودعا.

﴿"وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى"، باب: ما يلزم الزائر من الأدب، الجزء الرابع، ص ۱۴۰.﴾

ترجمہ: حضرت امام مالک کے استاد حضرت یحییٰ بن سعید کے بارے میں مروی ہے کہ جب انہوں نے عراق جانے کا ارادہ کیا

تو منبر شریف کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو منبر شریف پر مس کیا اور وہاں دعا کی۔

(۸) قال السيوطي رحمه الله: وأخرج الحسن بن سفيان في "مسنده" والقاضي إسماعيل في "الأحكام" والطحاوي في "مشكل الآثار" والباوردي في "الصحابة" والدارقطني والطبراني وأبو نعيم في "المعرفة" وابن مردويه والبيهقي في "سننه" والضياء المقدسي في "المختارة" عن الأسلع بن شريك قال: كنت أرحل ناقة النبي ﷺ فأصابتنني جنابة في ليلة باردة، وأراد رسول الله ﷺ الرحلة، فكرهت أن أرحل ناقته وأنا جنب، وخشيت أن أغتسل بالماء البارد فأموت أو أمرض، فأمرت رجلاً من الأنصار فرحله، ثم رضفت أحجاراً فأسخنت بها ماء، فاغتسلت به.

﴿"الدر المنثور"، سورة النساء، تحت الآية: ٤٣، ٥٤٧/٢ [مطبوعة دار الفكر بيروت].﴾

ترجمہ: حضرت ابن اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ ایک سردرات میں مجھے غسل کی حاجت ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے سفر کا ارادہ کیا میں نے حالت جنابت میں کجاوہ کسا پسند نہ کیا اور میں اس بات سے بھی ڈرا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں تو مر جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا اس لیے میں نے انصار میں سے ایک شخص سے کجاوہ کسوا یا پھر میں نے گرم پتھروں سے پانی گرم کر کے غسل کیا۔

(۹) وروی ابنُ السَّكَنِ من طريق صفوان بن هُبَيْرَةَ، عن أبيه، قَالَ لِي ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ: قال لي أنس بن مالك: هذه شعرة من شعر رسول الله ﷺ فضَّعُها تحت لسانِي قال: فوضَّعُها تحت لسانه، فدفن وهي تحت لسانه.

﴿"الإصابة في تمييز الصحابة"، رقم الترجمة: (٢٧٧) - أنس بن مالك، ٢٧٦/١.﴾

حضرت ثابت بنانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال ہے جب میں مر جاؤں تو اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا چنانچہ میں نے حسب وصیت ان کی زبان کے نیچے وہ بال شریف رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن کیے گئے۔

(۱۰) ثم السرية عبد الله بن أنيس وحدهم يوم الاثنين لخمس خلون من المحرم، على رأس خمسة وثلاثين شهرا من الهجرة، إلى سفيان بن خالد الهذلي بعرة - وادي عرفة - لأنه بلغه ﷺ أنه جمع الجموع لحربه. فلما وصل إليه قال له: ممن الرجل؟ قال: من بني خزاعة، سمعت بجمعك لمحمد فجئت لك لأكون معك، قال: اجلس. فمشى معه ساعة، ثم اغتره وقتله، أخذ رأسه، فكان يسير الليل ويتوارى النهار، حتى قدم المدينة، فقال له عليه الصلاة والسلام: ((أفلح الوجه))، قال: أفلح وجهك يا رسول الله، ووضع رأسه بين يديه. "المواهب اللدنية".

(ثم قال العلامة الزرقاني في شرحه: قال عبد الله بن أنيس: أخبرته خبري فدفن إلي عصا وقال: ((تخصر بها في الجنة فإن المتخصرين في الجنة قليل)) فكانت العصا عنده، حتى إذا حضرته الوفاة أوصى أن يدرجوها في أكفانه، ففعلوا.

﴿"شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية" للعلامة القسطلاني، كتاب المغازي، سيرة عبد الله بن أنيس، ج ٢، ص ٤٧٢ [دار الكتب العلمية بيروت]، وأخرجه العلامة الدميري في "حياة الحيوان الكبرى" (ج ٢، ص ٩٢) [مطبوعة منشورات الرضي قم] لكنه ذكر

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو عرنہ وادی عرفہ میں سفیان بن خالد ہذلی کو قتل کرنے کے لئے بھیجا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو اس کے متعلق یہ اطلاع پہنچی تھی کہ وہ جنگ کے لیے فوج جمع کر رہا ہے جب حضرت عبداللہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے کہا: میرا تعلق بنی خزاعہ سے ہے، میں نے سنا ہے کہ تم محمد (ﷺ) سے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو، میں بھی چاہتا ہوں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، حضرت عبداللہ نے اس کے ساتھ گھنٹہ بھر گزارا پھر جب اسے غافل پایا تو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے لیا، آپ رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے یہاں تک کہ مدینہ شریف پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا: ((أفلس الوجه)) تم کامیاب ہو گئے، اس پر حضرت عبداللہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کامیاب ہیں۔ حضرت عبداللہ نے خالد کے سر کو سامنے رکھ کر پورا قصہ بیان کیا تو حضور ﷺ کے دست مبارک میں عصا تھا آپ نے وہ عصا حضرت عبداللہ کو عطا فرما کر یوں ارشاد فرمایا: ((تخصر بها في الجنة فإن المتخصرين في الجنة قليل)). یعنی ”جنت میں اس پر ٹیک لگانا کیونکہ جنت میں ٹیک لگانے والے تھوڑے ہیں“ وہ عصا حضرت عبداللہ کے پاس رہا جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(۱۱) وَ (كَانَ لَهُ) سَرِيرٌ قَوَائِمُهُ مِنْ سَاجٍ أَهْدَاهُ إِلَيْهِ أَسْعَدُ بْنُ زَرَّارَةَ فَكَانَ يَنَامُ عَلَيْهِ، ثُمَّ وُضِعَ عَلَيْهِ لَمَّا مَاتَ، ثُمَّ الصِّدِّيقُ، ثُمَّ الْفَارُوقُ، ثُمَّ صَارَ النَّاسُ يَحْمِلُونَ عَلَيْهِ مَوْتَاهُمْ تَبَرُّكًا بِهِ . ﴿شرح الزرقاني﴾ ، الفصل الثامن في آلات حروبه عليه الصلاة والسلام (تكميل)، ج ۵، ص ۹۶

ترجمہ: حضرت اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے حضور ﷺ اس پر سویا کرتے تھے جب وصال شریف ہوا تو حضور کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور کے بعد صدیق اکبر کو بھی وفات پانے پر اسی چارپائی پر رکھا گیا بعد ازاں حضرت عمر فاروق کو بھی اسی پر رکھا گیا پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اسی چارپائی پر رکھا کرتے تھے۔ ﴿ترجمہ ماحوذ از ”سیرت رسول عربی“، ص ۵۲۳ [مطبوعہ اسلامی کتب خانہ لاہور].﴾

(۱۲) قال: أخبرنا سعيد بن منصور قال: حدثنا عكاف بن خالد قال: حدثني عبد الرحمن بن زيد العراقي قال: أتينا سلمة بن الأكوع بالربذة فأخرج إلينا يده ضخمة كأنها خفّ بغير، قال: بايعت رسول الله ﷺ، بيدي هذه، فأخذنا يده فقبلناها. ﴿الطبقات الكبرى﴾ لابن سعد، رقم الترجمة: (۸۸۴) سلمة بن الأكوع، ۲۱۸/۳ .

حضرت عبد الرحمن بن زید عراقی کا بیان ہے کہ ہم ربذہ میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا جو ایسا ضخیم تھا کہ گویا اونٹ کا سم تھا اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے پس ہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیا

(۱۳) عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ يَعْقُوبَ التِّمِّيِّ قَالَ: كَانَ (مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ) يَأْتِي مَوْضِعًا مِنَ الْمَسْجِدِ فِي السَّحْرِ، يَتَمَرَّغُ فِيهِ وَيَضْطَجِعُ، فَقِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ، أَرَاهُ قَالَ: فِي النَّوْمِ.

﴿روى الإمام ابن عساكر في "تاريخ دمشق"، ج ٥٦، ص ٥٠ [طبعة دار الفكر، بيروت]، وذكر الإمام الذهبي في "سير أعلام النبلاء"، ج ٥،

ص ٣٥٨ [طبعة مؤسسة الرسالة، بيروت].﴾

ترجمہ: اسماعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن منکدر متوفی ۲۰۵ھ مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹے اور لیٹے۔ ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابن منکدر نے کہا کہ خواب میں دیکھا ہے۔

(۱۴) وَقَدْ حَكَى أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ فَضْلُوَيْهِ الزَّاهِدِ وَكَانَ مِنَ الْعَزَاةِ الرُّمَاقِ أَنَّهُ قَالَ: مَا

مَسَسْتُ الْقَوْسَ بِيَدِي إِلَّا عَلَى طَهَارَةٍ مُنْذُ بَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَ الْقَوْسَ بِيَدِهِ. ﴿الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، القسم الثاني

فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره، فصل: ومن إعظامه وإكباره ﷺ، ج ٢، ص ٣٦ [طبعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

ترجمہ: حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے انہوں نے جب سنا کہ حضور ﷺ نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لے لیا ہے تو اس دن سے پیاس ادب کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (اس کمان کو مطلقاً کمان مان لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

(۱۵) وَحَدَّثْتُ أَنَّ أَبَا الْفَضْلِ الْجَوْهَرِيَّ لَمَّا وَرَدَ الْمَدِينَةَ زَائِرًا وَقَرَّبَ مِنْ بُيُوتِهَا تَرَجَّلَ وَمَشَى بَاكِيًا مُنْشِدًا:

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدْعَ لَنَا

فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُومِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِي كَرَامَةً

لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهِ رُكْبًا

﴿الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره، فصل: ومن إعظامه

وإكباره ﷺ، ج ٢، ص ٣٧﴾

ترجمہ: حضرت ابو الفضل جوہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا قصد کیا جب مدینہ منورہ کے مکانات کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر پڑے اور اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے۔

(اشعار کا ترجمہ یہ ہے):

جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار شریفہ کی پہچان کے لیے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا، نہ عقل خالص،

ہم پالانوں سے اتر پڑے اور اس ذات شریف کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے۔

برادران اسلام! صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور سلف صالحین کے صد ہا نہیں بلکہ ہزار ہا واقعات سے چند آپ کے گوش

گزار کیے گئے ہیں جن کی بنیاد محض محبت رسول ﷺ پر تھی۔ مثلاً حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کا واقعہ لے لیجئے جس میں ان کا نخلی منزل میں

آ جانا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں اوپر والی منزل میں ٹھہرنے کی درخواست کرنا اس سے ان کا کمال ادب ظاہر و باہر ہے اسی طرح

نبی کریم ﷺ کے پس خوردہ کھانے سے متعلق پوچھنا کہ حضور ﷺ کی انگلیاں کس جگہ لگی تھیں پھر اسی جگہ سے کھانا اس سے ان کا کمال محبت

اور نبی کریم ﷺ کے آثار شریفہ سے حصول برکت عیاں و تاباں ہے اسی اسلوب پر بقیہ واقعات کو سمجھ لیجئے اور حضرت سعیدؓ کے واقعہ کے تحت بیان کیا گیا درس بھی ملحوظ خاطر رکھیے۔ اب مخالفین ذرا بتائیں کیا ان میں سے ہر ایک کے لئے قرآن و حدیث سے نص صریح بھی ملتی ہے؟ اگر ہے تو بتائیں ورنہ اس بات کو تسلیم کریں کہ بلاشبہ ہر وہ طریقہ محبت و تعظیم بھی درست ہے جو خلاف شرع نہ ہو اگرچہ اس کا صریح ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ملتا ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ محبت و تعظیم رسول ﷺ ایک حکم کلی ہے جس طرح ایصالِ ثواب ایک حکم کلی ہے، لہذا ایصالِ ثواب کا وہ طریقہ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کے جواز میں تو مخالفین کو بھی شک نہ ہوگا اسی طرح ایصالِ ثواب کے وہ تمام طریقے بھی جائز ہوں گے جو خلاف شرع نہ ہوں اگرچہ ان کا بعینہ ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ملے یونہی محبت و تعظیم رسول ﷺ کے وہ تمام طریقے بھی جائز ہوں گے جو خلاف شرع نہ ہوں اگرچہ ان کا ثبوت صراحتاً قرآن و حدیث سے نہ ملے البتہ وہ طریقہ جو خلاف شریعت مطہرہ ہو جس کی ممانعت آئی ہو قابل عمل نہیں ہوگا۔

خود مخالفین کے ایک معتبر عالم شیخ وحید الزمان اپنی کتاب میں ایک حدیث اسی سلسلے میں لکھتے ہیں، سماعت فرمائیے:

﴿کُلُّ شَيْءٍ لَّكَ مُطْلَقٌ حَتَّى يَرُدَّ فِيهِ نَهْيٌ.﴾ ”لغات الحديث“، کتاب الطاء، ۳ / ۳۸ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]۔

ترجمہ: ہر چیز کا کرنا تجھ کو روا ہے یہاں تک کہ اس کی ممانعت میں کچھ وارد نہ ہو جائے۔

نیز شیخ وحید الزمان خود اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی قرآن یا حدیث میں اس کی ممانعت نہ آجائے یہ حدیث دین کی ایک بڑی اصل ہے تمام کھانے، پینے، پہننے، کی چیزیں دنیا کے رسم و رسومات مباح (جائز۔ رضوی) ہیں جب تک کہ ان کی ممانعت کسی نص (حکم قطعی۔ رضوی) سے ثابت نہ ہو۔ (ایضاً)

برادران اسلام! ہماری بیان کردہ معروضات کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہر ذی عقل کے واسطے ذکر کردہ واقعات ہی کفایت کرتے ہیں البتہ جو عقل سے عاری ہو اس کے لئے تو دفتر بھی بیکار ہے، آپ کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ مخالفین نے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے طریقہ محبت اور طریقہ تعظیم پر حالانکہ اس کی بنیاد و اصل نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم پر تھی یہ کہا تھا کہ پہلے امام مالک جیسے بنو، ہو سکتا ہے کہ ہمارے بیان کردہ واقعات صحابہ سن کر وہ کہہ دیں کہ پہلے صحابہ جیسے بنو پھر یہ کام کرنا۔

اب ہم عین حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ادب و تعظیم سے متعلق ایک حدیث اور اس کی تشریح میں شارحین کرام کی عبارات بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَطَالَ حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ قَالَ: قِيلَ: وَمَا هَمَمْتَ بِهِ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَجْلِسَ وَأَدْعُهُ.

”صحیح مسلم“، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل، رقم الحديث: [۱۸۱۵] ۲۰۴ (۷۷۳)

ص ۳۱۶ [دار السلام، الرياض]۔

ترجمہ حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے

بہت طویل قیام کیا یہاں تک کہ میں نے ایک بُری بات کا ارادہ کر لیا، راوی نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا آپ نے کس چیز کا ارادہ کیا تھا؟ حضرت ابن مسعود نے کہا میں نے ارادہ کیا تھا کہ حضور کو قیام میں چھوڑ کر خود بیٹھ جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں رات کو نفل پڑھے اور آپ کے قیام کے طول کی وجہ سے بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ خیال کر کے کہ آپ کھڑے ہوں اور میں بیٹھ جاؤں یہ بری بات ہے، باوجود اس بات کے نفل میں بیٹھنا جائز تھا کھڑے رہے اور ان کا یہ فعل عین حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا مظہر تھا یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج ذیل الفاظ سے روایت کی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، فُلْنَا: وَمَا هَمَمْتُ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعَدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم. ﴿"صحیح البخاری"، کتاب التہجد، باب طول القیام، رقم الحدیث: (۱۱۳۵)، ص ۱۸۲، [طبعة دار السلام، الرياض].﴾

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وإنما لم يقعد ابن مسعود للتأدب مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم.

﴿"صحیح مسلم بشرح النووي"، الجزء السادس، ص ۶۳ [طبعة دار إحياء التراث، بيروت].﴾

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر نماز میں نہیں بیٹھے۔

علامہ وشتانی نے بھی یہی لکھا ہے اور علامہ سنوسی نے بھی اس عبارت کو مزید اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ﴿"إكمال إكمال

المعلم"، ج ۲، ص ۴۰۰ [مطبعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال العيني: وهذا سوء من جهة ترك الأدب، وصورة المخالفة، وإن كان القعود جائزاً في النفل مع القدرة على

القيام. ﴿"عمدة القاری"، ج ۵، ص ۶۸ [طبعة دار الفكر، بيروت].﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نماز میں بیٹھنے کو بری بات قرار دینا اسی وجہ سے تھا کہ یہ امر ادب کے خلاف تھا۔ علامہ قسطلانی لکھتے

ہیں:

وإنما جعله سوءً وإن كان القعود في النفل جائزاً، لأن فيه ترك الأدب معه صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: ہر چند کہ نفلی نماز میں بیٹھنا جائز ہے اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز میں اپنے بیٹھنے کو بری بات قرار دیا

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہیں اور وہ بیٹھ جائیں یہ بات ادب کے خلاف تھی۔ ﴿"إرشاد الساري"، ج ۲، ص ۳۰۳ [مطبعة المطبعة

الميمنة، مصر].﴾

(اس حدیث کی تشریح سے متعلق جملہ عبارات شارحین علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی، ص ۵۳۲

سے ماخوذ ہیں۔ [رضوی]۔)

ذکر کردہ حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اس کی تشریح میں شارحین کرام کی عبارات منیفہ پیش نظر رکھتے ہوئے مخالفین کے مقتدر پیشوا شیخ اسماعیل دہلوی کی اس تحریر کو سامنے رکھ کر ہر انصاف پسند اور مصنف مزاج خود فیصلہ کر لے کہ ان کا اور ان کے پیشوا کا مزاج کتنا توہین آمیز اور گستاخانہ ہے۔ ﴿معاذ اللہ تعالیٰ﴾

مترجم تحریر یہ ہے: نماز میں شیخ اور اس کی مثل بزرگوں کی طرف توجہ کرنا خواہ رسالت مآب ہی کیوں نہ ہوں اپنی گائے اور گدھے کی صورت کا تصور کرنے سے بہت زیادہ بُرا ہے۔ ﴿”صراطِ مستقیم“، ص ۸۶ [مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور]﴾

لطیفہ:

ہم نے ایک مخالف کے سامنے دورانِ بحث شیخ اسماعیل دہلوی کی یہ تحریر پیش کی تو اس نے کہا: اسماعیل دہلوی کو نہیں مانتے (غالباً جان چھڑانے کا یہ آسان طریقہ اس کے مولویوں کا سمجھایا ہوا ہوگا) ہم نے یہ کہا: یہ بات مبہم ہے۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ ہم نے کہا: آپ شیخ اسماعیل دہلوی کو انسان نہیں مانتے ہیں یا مسلمان نہیں مانتے ہیں؟ اس پر وہ بے ساختہ کہہ اٹھا جناب میں انسان بھی مانتا ہوں اور مسلمان بھی۔ ہم نے کہا کہ پہلے تو آپ نے کہا تھا میں نہیں مانتا اب آپ اقرار کر رہے ہیں۔ وہ بوکھلاتے ہوئے بولا: میں اس تحریر کو نہیں مانتا۔ ہم نے کہا: آپ کس اعتبار سے نہیں مانتے؟ اس نے عالم پریشانی میں کہا: میں اس عبارت کو صحیح نہیں مانتا کیونکہ یہ گستاخی والی بات ہے۔ اس پر ہم نے کہا: پھر آپ شیخ اسماعیل دہلوی کو کیسے مسلمان مانتے ہیں؟ بس پھر کیا تھا یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور اس نے خاموشی سے رخصت ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

اب ہم ”فتاویٰ رضویہ“ سے ادب و تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کا خلاصہ مع قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت۔

قال اللہ تعالیٰ: **إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ۔ ﴿الفتح: ۸، ۹﴾**

اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم

کرو۔

قال تعالیٰ: **وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿الحج: ۳۲﴾**

جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے،

قال: **وَمَنْ يُعْظَمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ﴿الحج: ۳۰﴾**

ترجمہ: جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس ﷺ کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے

ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔

ہاں! اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالخصوص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس ﷺ کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر، حضور کا نام لینا اسی لئے علامہ ابن حجر مکی، ”جوہر منظم“ میں فرماتے ہیں:

تعظيم النبي ﷺ بجميع أنواع التعظيم التي ليس فيها مشاركة الله تعالى في الألوهية أمر مستحسن عند من نور الله أبصارهم.

یعنی نبی ﷺ کی تعظیم تمام اقسام کی تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک نہ کرنا ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

﴿”الجوهر المنظم“، مقدمة في آداب السفر، الفصل الأول، ص ١٢، للعلامة ابن حجر المكي، ”الفتاوى الرضوية“، ”إقامة القيامة“، ٥٣١/٢٦، [مطبوعة رضا فاؤنڈیشن، لاہور].﴾

نیز لکھتے ہیں:

أُمُور تعظيم وادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی داب (طریقہ، رضوی) رہا کہ ورود و عدم ورود خصوصیات (یعنی ادب و تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے سلسلہ میں کتاب و سنت سے کوئی ﴿38﴾ خاص صورت وارد ہونے یا نہ ہونے۔ رضوی) پر نظر نہ کی بلکہ تصریحاً قاعدہ کلیہ بنایا (جو یہ ہے۔ رضوی):

وكل ما كان أدخل في الأدب والإجلال كان حسناً.

﴿”شرح فتح القدیر“، للإمام ابن الهمام الحنفی، کتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ، ١٦٨/٣ [طبعة دار الكتب العلمية، بيروت]، ”الفتاوى العالمية“، كتاب المناسك، مطلب زيارة النبي ﷺ، ٢٦٥/١ [طبعة مكتبة حقانية، پشاور] الرضوي.﴾

ترجمہ: جس بات کو نبی ﷺ کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے۔

﴿”الفتاوى الرضوية“، ”إقامة القيامة“، ج ٢٦، ص ٥٤٦ [مطبوعة رضا فاؤنڈیشن، لاہور].﴾

باقی رہی دن و تاریخ مقرر کرنے کی بات جس پر مخالفین نے بہت سوزش کی ہے، فی الحال ہم بطور اختصار اس کی وضاحت کرتے ہیں سماعت فرمائیے:

توقيت (وقت مقررہ، معینہ پر کسی کام کو کرنا) دو حال سے خالی نہیں یا تو شرعی ہوگا یا عرفی و عادی، توقيت شرعی یہ ہے کہ شارع نے کسی کام کے لئے خود وقت مقرر فرمادیا ہو خواہ یوں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو ہی نہیں سکتا جس کے لئے وہ وقت مقرر و متعین کیا گیا ہے جیسے قربانی کے ایام مقرر ہیں پس اگر ایام نحر کے سوا دوسرے دنوں میں جانور ذبح کیا جائے گا تو قربانی نہیں ہوگی (ایام نحر سے متعلق تحقیق انیق مقالات سعیدی میں دیکھئے) یا اس طرح کہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو تو سکتا ہے لیکن بلا عذر تاخیر جائز نہیں مثلاً پنجوقتہ نمازوں (فجر، طہر، عصر، مغرب، عشاء) کے اوقات مقرر ہیں جیسے نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہوتا ہے لہذا اس وقت میں نماز فجر پڑھی جائے گی تو ادا ہوگی اور اگر کوئی طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر پڑھے گا تو اس صورت میں نماز تو ہو جائے گی مگر قضا ہوگی اور بلا عذر ایسا کرنا گناہ ہے۔

پس جاننا چاہیے کہ یہ توقیت و تخصیص شرعی ہے کہ قربانی کو ایام نحر کے ساتھ اور پنجوقتہ نمازوں کو اوقات معینہ کے ساتھ مقرر و خاص کیا گیا ہے۔

توقیت عرفی و عادی کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی جانب سے تو ہر وقت اور ہر دن اس کام کی اجازت ہے سوائے ممنوعہ و مستثنیٰ صورتوں کے لیکن کسی مصلحت یا مناسبت کی وجہ سے اس کام کے لئے کوئی وقت یا دن مقرر اور خاص کر لیا جائے مثلاً نماز ظہر کا ایک وقت مقرر ہے اور یہ تقرر شرعی ہے لہذا اس پورے وقت میں جب بھی نماز ظہر پڑھی جائے گی تو اس کی ادائیگی ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود مساجد میں خواہ کسی بھی مکتب فکر کی ہوں ایک عرصے سے نماز کی ادائیگی کا وقت مقرر و معین کرنے کا سلسلہ جاری ہے چنانچہ کسی مسجد میں نماز ظہر سوا ایک بجے ہوتی ہے اور کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے یونہی کسی مسجد میں پونے دو بجے ہوتی ہے لیکن یہ تقرر اور تعین و تخصیص شرعی نہیں ہے بلکہ عرفی و عادی ہے لہذا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان معین و مقرر اوقات کے علاوہ نماز ظہر ادا کی جائے تو اس کی ادائیگی ناجائز ہوگی البتہ نماز ظہر کے اس پورے وقت کا لحاظ ضروری ہوگا جو شریعت مطہرہ نے مقرر و معین کیا ہے کہ اس سے پہلے تو اصلاً نماز نہیں ہوگی اور اس کے بعد نماز تو ہو جائے گی مگر قضاء، اسی طرح اگر محفل میلاد ہو یا مجلس ایصال ثواب، ان کے لیے کوئی وقت یا دن مقرر کر لینا یہ تعین عرفی و عادی ہے چنانچہ اس وقت یا دن کے علاوہ بھی محفل میلاد یا مجلس ایصال ثواب جائز و درست ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے ”فتاویٰ رضویہ“ میں اس کی تصریح اور وضاحت کی ہے جیسا کہ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

امواتِ مسلمین کو ایصالِ ثواب قطعاً مستحب، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ)). ﴿رواہ الإمام أحمد فی "مسندہ" عن جابر بن عبد اللہ ؓ، ۵۳/۵، برقم:

(۱۴۳۸۹) [طبعة دار الفکر، بیروت]. (التحریج من الرضوی) ﴿

ترجمہ: تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھے تو چاہیے کہ وہ اسے نفع پہنچائے۔ (ترجمہ از رضوی) اور یہ تعینات عرفیہ ہیں، ان میں اصلاً حرج نہیں جبکہ انہیں شرعاً لازم نہ جانے، یہ نہ سمجھے کہ ان ہی دنوں ثواب پہنچے گا، آگے پیچھے نہیں الخ

﴿"فتاویٰ الرضویہ"، ج ۹، ص ۶۰۴ [مطبوعہ: رضافاؤنڈیشن، لاہور]﴾

وعظ و نصیحت کرنا بھی ہر وقت جائز ہے سوائے ممنوعہ و مستثنیٰ صورتوں کے لیکن اس کے باوجود ایک عرصہ سے جمعہ کے دن خطبہ نماز سے پہلے وعظ و خطاب کرنا ہر مکتب فکر کے علماء نے مقرر و متعین کیا ہوا ہے راقم نے اپنی زندگی میں صرف جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی (کراچی) کے مہتمم دیوبندی مولوی سلیم اللہ خان کے متعلق چند سال قبل یہ سنا تھا کہ اس نے نماز جمعہ سے پہلے تقریر کرنا چھوڑ دی ہے اور وجہ یہ بتائی گئی کہ خطبہ نماز سے پہلے تقریر کرنا بدعت ہے لہذا مخالفین بھی اپنے برادر معنوی کی اتباع میں اس بدعت کو چھوڑنے کی کوشش کریں مگر یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ یہ کوشش ان کو بہت مہنگی پڑے گی کیونکہ اس طرح موجودہ بدعتی نہیں تو سابق بدعتی ضرور قرار پائیں گے اور یہ بات ایسی ہے جیسے سانپ کے منہ میں چھچھو نہر نکلے گا تو اندھا اگلے گا تو کوڑھی۔

آئیے اب ہم کتاب و سنت سے بالخصوص جوازِ تعین یعنی کوئی مقرر اور خاص کرنے کا ثبوت بتاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا

ہے:

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿المعارج: ۲۴﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حق معلوم ہے۔

”تفسیر خازن“ میں ہے:

وقيل: هي صدقة التطوع وذلك بأن يوظف الرجل على نفسه شيئاً من الصدقة يخرجها على سبيل النذب في

أوقات معلومة.

یعنی ایک قول یہ ہے کہ ”حق معلوم“ سے مراد صدقہ نفلی ہے اور بایں طور کہ مقرر کرے بندہ اپنے اوپر صدقہ جو استحبابی طور پر کرے

مقرر وقتوں میں۔ ﴿”تفسیر خازن“، ج ۴، ص ۳۳۲ [مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ، پشاور]﴾.

”تفسیر خزائن العرفان“ میں ہے:

مراد اس سے زکوٰۃ ہے جسکی مقدار معلوم ہے یا وہ صدقہ جو آدمی اپنے نفس پر معین کرے تو اسے معین اوقات میں ادا کیا کرے،

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ صدقات مستحبہ کے لئے اپنی طرف سے وقت معین کرنا شرع میں جائز اور قابلِ مدح ہے۔

﴿”تفسیر خزائن العرفان“، ص ۹۰۹، [مطبوعہ مجلس البرکات، مبارکپور، ہند]﴾.

بخاری شریف میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَرَفِي النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً... إلخ

﴿”صحیح البخاری“، کتاب الکفالة، باب جوار أبي بكر في عهد رسول الله ﷺ وعقده، رقم الحديث: (۲۲۹۷)، ص ۳۶۷ [طبعة دار السلام،

الرياض]﴾.

ترجمہ حدیث: رسول اللہ ﷺ دن کے دونوں کنارے یعنی صبح و شام (مکہ مکرمہ میں) ہمارے (صدیق اکبر ﷺ کے) گھر

تشریف لاتے تھے۔

”مسلم شریف“ میں ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ (الْأَنْصَارِيِّ) [رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ] أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: ((فِيهِ وُلْدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ)).

﴿”صحیح مسلم“، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، رقم الحديث:

[۲۷۵۰] ۱۹۸- (۱۱۶۲)، ص ۴۷۸﴾.

ترجمہ حدیث: رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے (ہر پیر کے دن اپنے روزہ رکھنے کی وجہ

بیان کرتے ہوئے) فرمایا: ”اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی“۔

”بخاری شریف“ میں ہے:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ. ﴿”صحیح البخاری“، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ فرماتے تھے۔
”بخاری شریف“ میں ہے:

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذُكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: جَاءَتْ
امْرَأَةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ، فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تَعْلَمُنَا مِمَّا
عَلَّمَكَ اللَّهُ، فَقَالَ: ((اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمٍ كَذَا وَكَذَا، فِي مَكَانٍ كَذَا وَكَذَا)). فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا
عَلَّمَهُ اللَّهُ إلخ ﴿صحيح البخارى﴾، كتاب الاعتصام، باب تعليم النبي ﷺ أمته، رقم الحديث: (۷۳۱۰) ص ۱۲۵۸ [طبعة دار السلام،

الرياض]. ﴿﴾

ترجمہ حدیث: ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! مرد حضرات تو آپ کی باتیں سن کر چلے
جاتے ہیں اس لئے آپ ہمارے لیے بھی اپنی طرف سے کوئی دن مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ہمیں
وہ سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فلاں فلاں دن میں فلاں فلاں مقام پر جمع ہو جایا کرو“، پس وہ جمع ہوتیں
اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں وہ سکھایا جو اللہ نے انہیں سکھایا۔
”بخاری شریف“ میں ہے:

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ
تَجْعَلُ عَلَى أَرْبَعَاءٍ فِي مَرْعَةٍ لَهَا سَلْقًا، فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أَصُولَ السَّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قَدْرِ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً
مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُونُ أَصُولُ السَّلْقِ عَرْقَةً، وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنَسْلُمُ عَلَيْهَا فَتَقْرُبُ ذَلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا
فَنَلْعَقُهُ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَطْعَامِهَا ذَلِكَ.

﴿صحيح البخارى﴾، كتاب الجمعة، باب قول الله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ رقم الحديث:

(۹۳۸) ص ۱۵۱ [طبعة دار السلام، الرياض]. ﴿﴾

ترجمہ حدیث: ایک خاتون (سن رسیدہ) بروز جمعہ مختصر کھانا کہ چقندر ہانڈی میں ڈال کر اس پر ایک مٹھی جو پیس کر ڈال دیتیں، اس
کھانے سے متعلق حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز جمعہ پڑھ کر لوٹتے تو انہیں سلام کرتے اور وہ اس کھانے کو ہمارے قریب
کر دیتیں پس ہم اسے کھاتے اور ہم ان کے اس طعام کو کھانے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی آرزو کیا کرتے تھے۔
فائدہ: ذکر کردہ حدیث ”صحیح بخاری“ میں درج ذیل مقامات پر بھی ہے:

(۱) كتاب الحرث والزراعة، باب: ما جاء في الغرس، رقم الحديث: (۲۳۴۹).

(۲) كتاب الأطعمة، باب: السلق والشعير، رقم الحديث: (۵۴۰۳).

(۳) كتاب الاستيذان، باب: تسليم الرجال على النساء..... إلخ، رقم الحديث: (۶۲۴۸).

”بخاری شریف“ کی اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سن رسیدہ خاتون نے دعوتِ طعام جمعہ کے دن کے ساتھ خاص کر دی

تھی اسی طرح پکائے جانے والے کھانے کو بھی چقندر اور جو کے آٹے کے ساتھ خاص کر دیا تھا۔

غور کیجئے کہ دعوت کرنے والی سن رسیدہ صحابیہ اور کھانے والے صحابہ مگر اس کے باوجود ان کو عدم جواز کے شبہ کا وہم بھی ظاہر نہ ہوا، ظاہر ہے کہ انہوں نے تخصیص اور تعین کو شرعی نہیں سمجھا یعنی یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ جمعہ کے دن کے علاوہ دعوت ہو ہی نہیں سکتی یا جمعہ کے دن ہی دعوت کرنا ضروری ہے یا چقندر اور جو کے آٹے سے بنے ہوئے کھانے ہی کی دعوت کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی دعوت نہیں کی جاسکتی ہے یا چقندر اور جو کے آٹے سے بنے ہوئے کھانے ہی کی دعوت کرنا ضروری ہے۔

”تفسیر کبیر“، ”تفسیر ارشاد العقل“ میں ہے:

وعن رسول الله ﷺ أنه كان يأتي قبور الشهداء رأس كلِّ حول فيقول: ((السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار))، والخلفاء الأربعة هكذا كانوا يفعلون (ﷺ).

﴿”تفسیر کبیر“ تحت الآیۃ: ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾، ج ۷، ص ۳۷ [دار احیاء التراث العربی، بیروت].﴾

﴿”تفسیر ارشاد العقل المعروف بـ ”تفسیر أبی سعود“ ج ۴، ص ۲۱۳ [دار الفکر، بیروت].﴾

حضرت رسول اللہ ﷺ ہر سال بہ نفس نفیس قبور شہداء کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے: ”السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار“ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہر سال تشریف لے جایا کرتے تھے۔

”جذب القلوب شریف“ میں ہے:

درخبر است کہ آنحضرت ﷺ بر سر ہر سال بر قبور شہدائے احدی آمدومی فرمود:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿الرعد: ۲۴﴾

ترجمہ: حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ہر سال کی ابتداء پر غزوہ احد کے شہدائے کی قبروں پر تشریف لاتے اور فرماتے: ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (یعنی سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ پس آخرت کا گھر ہی کیا خوب ملا۔ از رضوی)۔

﴿”جذب القلوب شریف“ مترجم، ص ۲۵۵ [مطبوعہ شبیر برادر، لاہور].﴾

یہ روایت درج ذیل کتب تفاسیر میں بھی ہے:

(۱) ”تفسیر در منثور“، ج ۴، ص ۶۴۱ [مطبوعہ دار الفکر، بیروت].

(۲) ”جامع البیان“ (تفسیر الطبری)، ج ۸، ص ۳۸۴ [مطبوعہ دار الفکر، بیروت].

(۳) ”غرائب القرآن“، ج ۱۳، ص ۸۳ [مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر].

”الفتاویٰ الرضویہ“، ج ۲۶، ص ۴۹۲ [مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور].

برادران اسلام! اس سے قبل کہ مخالفین شیخ فاکہانی کی وفادارانہ تقلید کرتے ہوئے تلخیص ابلیس سے کام لے کر یہ شبہ ڈالنے کی کوشش کریں کہ جناب! بیان کردہ روایات میں تو خود حضور ﷺ اور صحابہ کرام نے کسی کام کی تخصیص اور تعین کسی دن و وقت کے ساتھ کی ہے لہذا یہ تخصیص و تعین تو خود ثابت ہو گئی ہماری بحث تو ان کاموں کی تخصیص و تعین میں ہے جنکا ثبوت نہیں ملتا یا ہو سکتا ہے کہ مخالفین

یہاں بھی وہی بات دہرا دیں کہ پہلے صحابی اور نبی جیسے بنو پھر ان جیسے کام یا ان کے افعال سے استدلال کرنا، جیسا کہ انہوں نے امام مالک علیہ الرحمہ کے ذکر پر کہا تھا لہذا ہم واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ محض بات ہی بات ہے جمہور ائمہ اسلام میں سے کسی کو بھی یہ بات نہیں سوجھی اور سوجھتی بھی کیسے کہ یہ بات اختراعی اور من گھڑت ہے چنانچہ ہم ”بخاری شریف“ میں سے مزید ایک روایت بیان کرتے ہوئے اس کے تحت ائمہ اسلام کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ شبہ جس کی بنیاد محض وہم پر ہے پاش پاش ہو جائے اور بخاری شریف سے مراد وہی کتاب حدیث ہے جو امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی متوفی ۲۵۶ھ کی تصنیف لطیف ہے جس سے متعلق مخالفین اپنی برادری میں خاص طور پر اور ان کے برادر حضرات عوام اہلسنت میں عام طور پر یہ پرچار کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ”صحیح بخاری“ کلام اللہ قرآن کے بعد اس روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

مخالفین سے پوچھا جائے کہ یہ نظریہ قرآن و حدیث کی کس نص صریح سے ثابت ہے؟ اگر اس پر کوئی نص صریح ہے تو اسے بیان کریں ورنہ تسلیم کریں کہ وہ قرآن و حدیث کے علاوہ تیسری چیز کو بھی حجت و دلیل مانتے ہیں تاکہ ان کے ہمنواؤں اور حواریوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے خطیب جو بارہا یہی بیان کرتے رہے تھے کہ ان کے نزدیک صرف اور صرف قرآن و حدیث ہی حجت ہیں باقی کچھ نہیں یہ کھلا دھوکا تھا اور واضح ہو جائے کہ ان کے خطیب ایک تیسری چیز کو بھی حجت مانتے تھے مگر وہ اس کو اپنے پیٹ میں رکھے ہوئے تھے آج مجبوری سے اُگلا ہے۔

مخالفین ہم سے حکم کلی کی ہر جزئی پر قرآن و حدیث سے دلیل کے طالب ہوتے ہیں لہذا ہم بھی اس پر ان سے قرآن و حدیث سے دلیل کے طالب ہیں اور بس۔

برادران اسلام! آئیے اب حدیث سنئے اور زیر بحث مسئلہ سمجھئے، ”بخاری شریف“ میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا. وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ۔

﴿”صحیح البخاری“، کتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب من أتى مسجد قباء كل سبت، رقم الحديث: (۱۱۹۳)، ص ۱۹۰﴾

[طبعة دار السلام، الرياض] ﴿﴾

ترجمہ حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد قباء میں ہر ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

امام بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فيه دليل على جواز تخصيص بعض الأيام بنوع من القرب، وهو كذلك إلا في الأوقات المنهي عنها.

﴿”عمدة القاري“، ج ۵، ص ۵۷۳ [طبعة دار الفكر، بيروت] ﴿﴾

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ نفلی عبادات کو بعض ایام کے ساتھ خاص کر لینا جائز البتہ جن ایام میں آپ ﷺ نے کسی عبادت کے خاص کر لینے سے منع فرما دیا ہے تو وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

وفي هذا الحديث على اختلاف طرقه دلالة على جواز تخصيص بعض الأيام ببعض الأعمال الصالحة

والمداومة على ذلك ﴿فتح الباري، ج ۳، ص ۸۲، طبعة دار الحديث: القاهرة﴾

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ بعض اعمال کو بعض ایام کے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے اور ان اعمال پر مداومت اور ہمیشگی کرنا بھی جائز ہے۔

امام نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

فيه: جواز تخصيص بعض الأيام بالزيارة.

﴿"صحيح مسلم بشرح النووي"، الجزء التاسع، ج ۵، ص ۱۷۱ [دار إحياء التراث بيروت].﴾

ترجمہ: اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ بعض ایام کو زیارت کے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے

امام ابو عبد اللہ مالکی، متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عبادت کے ساتھ کسی دن کو خاص کر لینا جائز ہے۔

﴿"إكمال إكمال المعلم"، ج ۳، ص ۴۸۲ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

برادران اسلام! ہم زیر بحث مسئلہ میں چند باتیں بطور وضاحت بیان کرنے سے قبل مخالفین کی بے جا مخالفت و شدت آپ کے گوش گزار کرتے ہیں یعنی وہ حضرات محض اتنی بات کہہ کر اپنے آپ کو خوش کر لیتے ہیں کہ کسی دن کا تعین و تقرر کرنا شریعت سازی و بدعت ہے اور شرح میں اس کی ممانعت ہے حالانکہ مطلقاً ایسی بات کہنا خود شریعت سازی و بدعت ہے اسی کو کہتے ہیں الٹا چور کو توال کو ڈانٹے ورنہ مخالفین بتائیں کہ شریعت مطہرہ علی صاحبہا الصلاة والتحية میں کہاں اس کی ممانعت آئی ہے؟ البتہ یہ الگ بات ہے کہ مخالفین شریعت اسلامیہ سے ممانعت دکھانے کے بجائے یوں کہیں کہ یہ ممانعت شریعت محمدیہ میں نہیں بلکہ شریعت وہابیہ میں مذکور ہے جس کا جی چاہے وہ "فتاویٰ نذیریہ"، "فتاویٰ ثنائیہ" کا مطالعہ کرے کہ ان میں تعین و تخصیص یوم کی ممانعت لکھی ہے۔

خیر! ہم تو بے جا مخالفت کے بجائے تبلیغ اصلاح کے درپے ہیں لہذا ذکر کردہ مسئلہ کی مزید وضاحت پر چند باتیں سماعت فرمائیں:

(۱) اعمال مستحبہ میں دن و تاریخ کے ساتھ تقرر اور تخصیص جو عرفاً عادتاً جاری ہے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے البتہ اس کو شریعت مطہرہ کے تقرر و تعین کے مانند نہ تصور کیا جائے یعنی یہ نظریہ نہ ہو کہ اس دن اور تاریخ کے علاوہ شرعاً یہ کام نہیں ہو سکتا ہے یا جو شخص اس دن اور تاریخ میں یہ کام نہیں کرے گا وہ گناہگار ہو گا یا اس دن اور تاریخ میں ہی یہ کام کرنا شرعاً ضروری ہے۔

ذکر کردہ نظریات رکھنے والا شریعت مطہرہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے والا ہے یوں ہی نظریہ رکھنا کہ اس دن تاریخ میں یہ کام جائز نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دن و تاریخ میں جائز ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ویسے تو ایصال ثواب جائز ہے مگر کسی مخصوص دن اور تاریخ میں ایصال ثواب بدعت و ناجائز ہے تو یاد رکھئے کہ یہ نظریہ بھی باطل اور خلاف شریعت ہے اسی تخصیص عادی کو مثلاً کوئی بارہویں شب کو محفل میلاد کا انعقاد کرتا ہے حالانکہ وہ یہ نظریہ نہیں رکھتا کہ بارہویں شب کے علاوہ محفل میلاد نہیں ہو سکتا یا بارہویں شب ہی میں محفل میلاد

کرنا شرعاً ضروری ہے ورنہ گناہ ہوگا لہذا کوئی مخالف اس تخصیص عادی کو اپنے تئیں تخصیص شرعی سمجھ کر بارہویں شب میں محفل میلاد کرنے والے کو بدعتی بنادے تو یہ بھی ایک مسلمان سے بدگمانی اور باعث گناہ ہے۔

(۲) جن اشیاء کی مشروعیت (جائز ہونا) مطلقاً (یعنی بغیر کسی قید کے) شریعت مطہرہ سے ثابت ہے ان کو مقرر کر لینا نقصان دہ نہیں ہے جبکہ اس مقرر کرنے کو شرعاً لازم و ضروری نہ سمجھے مثلاً ایصالِ ثواب کو پورے سال کبھی بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی مشروعیت مطلقاً شریعت مطہرہ سے ثابت ہے اب اگر کوئی پورے سال میں چھٹی تاریخ کو یونہی گیارہویں یعنی گیارہ تاریخ کو اسی طرح بارہویں یعنی بارہ تاریخ کو ایصالِ ثواب کرتا ہے تو یقیناً ذکر کردہ تاریخیں پورے سال کے اندر ہیں اس سے خارج نہیں ہیں پس معلوم ہوا کہ ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنے کو فرض و واجب یا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاننا شریعت مطہرہ میں زیادتی ہے کیونکہ اگر ان تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا فرض و واجب یا سنت رسول ہوتا تو کتاب و سنت میں خاص ان تاریخوں سے متعلق حکم وارد ہوتا لہذا ہر وہ مسلمان جو ان تاریخوں کو وہ محض اپنی سہولت و آسانی اور دیگر مصالح کے سبب مقرر و خاص کر لے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کو تقرر عرفی و عادی یا تعین عرفی و عادی کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا معنی میں دن و تاریخ مقرر کرنے میں جو آسانی ہے وہ صاف ظاہر ہے کیونکہ وقت کی پابندی میں جس طرح کام انجام پایا جاتا ہے وہ مبہم رکھنے میں نہیں ہوتا کہ مبہم رکھنے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ آج کریں گے کل کریں گے اور یونہی وقت گزر جاتا ہے اور کام انجام نہیں پاتا جبکہ معین کر لینے میں ایسا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ دین و دنیا کے اکثر کاموں کے لئے دن و تاریخ اور وقت مقرر و معین کیا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کسی ذی عقل کو مجال انکار نہیں کہ تمام کام اسی طرح بخوبی انجام پاتے ہیں لہذا اس بات پر غور کیجئے کہ ہر مکتب فکر کی مساجد میں اوقات نماز مقرر و معین ہوتے ہیں کہ اتنے بجکر اتنے منٹ پر فلاں نماز ہوگی بھلا بتائیے تو سہی کیا اس طرح وقت مقرر کر کے جماعت کرانا ممنوع ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ وہ حضرات جو محفل میلاد، مجلس ایصالِ ثواب کو مقرر کرنے پر بدعت سیئہ و مذمومہ کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ بھی اس پر عمل پیرا ہیں اب اسے دورنگی چال کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مدارس دینیہ میں اوقات درس، اوقات امتحان، ایام تعلیم اور ایام تعطیل وغیرہ تمام انتظامی امور منضبط اور متعین کئے جاتے ہیں تو کیا ان تخصیصات کی وجہ سے مدرسہ کی تعمیر ناجائز اور اس میں پڑھنا اور پڑھانا بدعت ہے؟ اگر ہے تو پھر مخالفین کو چاہئے کہ وہ اپنے مدارس کو منہدم کر کے بغرض اصلاح اعلان بصورت اشتہار شائع کر دیں کہ نفس تعلیم تو جائز ہے مگر تخصیصات و تعینات کہ اتنے وقت سے اتنے وقت تک مدرسہ میں اسباق کی تعلیم ہوگی اور فلاں جماعت میں فلاں کتاب پڑھائی جائے گی وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں بدعت ہیں اور بدعت اور گمراہی دخولِ جہنم کا باعث ہے لہذا اس مقرر و معین طرز پر چلنے والے تمام مدارس ڈھادیئے ہی کے قابل ہیں جو دخولِ جہنم کا آلہ بنے ہوئے ہیں البتہ اگر کوئی مدرسہ ایسا ہو تو اسے قائم رکھا جائے جس میں تعلیم کا سلسلہ یوں جاری ہو کہ نہ وقت مقرر ہو اور نہ کوئی کتاب متعین ہو اور نہ ہی کوئی ضابطہ و قاعدہ ہو، کبھی پڑھنے والوں میں سے بعض صبح کو آجائیں اور بعض شام کو اور کبھی بعض دوپہر کو آجائیں

اور بعض رات کو اسی طرح پڑھانے والے حضرات بھی اس روش کو اختیار کریں یونہی کسی دن علم صرف کی کتاب ہو تو کسی دن علم نحو کی اور کسی رات حدیث کی کتاب ہو تو کسی رات تفسیر کی کتاب ہو اور یہ سب امور بھی ترتیب کے ساتھ نہ ہوں ظاہر ہے کہ ذکر کردہ صفات کا حامل مدرسہ ملت اسلامیہ میں تو مفقود ہے البتہ ملت وہابیہ میں ایسا کوئی مدرسہ ہو تو اشتہار میں اس کا پتہ اور محل وقوع بھی دے دیں تاکہ اس کی زیارت کی جاسکے اور اگر مخالفین کے مدارس کا ایسا حال نہیں ہے جیسا کہ لکھا گیا ہے بلکہ ان کے مدارس میں بھی ذکر کردہ تمام امور وقت کے تقرر و تعین کے ساتھ انجام پا رہے ہیں تو یقیناً وہ خود اپنے اصول پر بدعتی بن رہے ہیں اب مخالفین جنہوں نے امام مالک علیہ الرحمہ کے افعال سے استدلال کرنے پر ہم پر (کہیں کی اینٹ، کہیں کا روٹا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا) کہہ کر پھبتی کسی تھی ان کی مثال ایسی ہے جیسے (اپنا ٹیٹ نہ نہا رہے اور کی پھلی دیکھے) اگر ہم چاہتے تو اس موقع پر یہ مثل بھی بیان کر سکتے تھے کہ (اپنی جوتی اپنا سر) مگر ہم نے اس سے احتراز کیا۔

بہر حال مخالفین کا سب کچھ کرنے کے باوجود بھی بدعت بدعت کی رٹ لگانا غمازی کرتا ہے کہ ان کا بدعت سے ایسا گہرا رشتہ ہے جو ٹوٹنے والا نہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے (کہیں ناخن سے بھی گوشت جدا ہو) ہو سکتا ہے کہ مخالفین کہیں کہ بلاشبہ ہمارے مدارس میں بھی ذکر کردہ تخصیصات رائج ہیں مگر ہم ان تخصیصات کو شرعیہ نہیں سمجھتے تو مخالفین ہمیں آگاہ کریں کہ ہماری کوئی معتبر و مستند کتاب ہے جس سے ان کو یہ بات سوچھی ہے کہ ہم محفل میلاد مجلس ایصال ثواب وغیرہ کے لئے دن و تاریخ کے تقرر و تخصیص کو شرعی سمجھتے ہیں؟ اگر ہماری کسی معتبر و مستند کتاب میں ایسی بات نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو کیا مخالفین کو الہام ہوا ہے کہ ہم ان کو تخصیصات شرعیہ سمجھتے ہیں؟ اگر الہام ہوا ہے تو یہ بات واضح ہے کہ غیر نبی کا الہام ظنی ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے محض ظن سے کام لیتے ہوئے امت مسلمہ کے افراد کثیرہ سے بدگمانی کی ورنہ بصورت دیگر اسے الزام تراشی کہا جائے گا۔

اور اگر مخالفین یہ کہیں کہ فلاں کام کے ذریعے انہوں نے تخصیص شرعی کو جانا ہے تو یہ صدایا آہ و بکا ہمارے نزدیک آوازِ کلاغ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ورنہ مخالفین خود بتائیں کہ اگر فلاں کے ذریعے معلوم ہوا کہ ایک غیر مقلد نے چوری کی ہے تو کیا اس پر یہ کہنا درست ہوگا کہ غیر مقلدین کے نزدیک چوری کرنا جائز ہے اور چوری کرنے کو جائز سمجھنا غیر مقلدین کا نظریہ ہے؟ ہم تو ایسی عیارانہ روش کو فساد یوں کے فساد سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ کسی جماعت کا نظریہ اس جماعت کے معتمد و مستند علماء کی معتبر و مستند کتاب سے سمجھا جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس جماعت کے کسی نام لیوا کے خود ساختہ نظریہ کو اس جماعت کا نظریہ بنا دیا جائے اگرچہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) جن کاموں کی تخصیص تعیین شریعت مطہرہ نے کر دی ہے تو وہ خارج از بحث ہیں یہاں گفتگو ان کے علاوہ دیگر کاموں سے متعلق ہے لہذا جاننا چاہیے کہ تخصیص ممنوع ہے کہ شریعت مطہرہ میں تو کسی کام سے متعلق حکم مطلق ہو یعنی جب چاہیں جس وقت چاہیں وہ کام کیا جاسکتا ہے سوائے ان اوقات کے جن میں اس کام کے کرنے کی ممانعت آئی ہو اب اگر کوئی شخص اس کام کو کرنے کے لئے کسی دن یا تاریخ کو اس کے ساتھ اس طرح خاص کر دے کہ اس کے علاوہ اور کسی دن یا تاریخ میں یہ کام شرعاً نہیں کیا جاسکتا اگر کوئی کرے گا تو گناہگار ہو گا یا

اس دن اور تاریخ میں یہ کام کرنے پر ثواب ملے گا اور اگر کسی دوسرے دن یا تاریخ میں یہ کام کرے گا تو ثواب نہیں ملے گا تو بلاشبہ ایسی تخصیص ممنوع اور ناجائز ہے۔

اسی طرح کوئی یہ کہے کہ اگر کسی شخص نے چھٹی، گیارہویں یا بارہویں تاریخ میں یہ کام کیا تو وہ بدعتی ہوگا اور یہ کام ناجائز اور باعث گناہ ہوگا تو ایسی بات کہنے والا بھی شریعت مطہرہ میں زیادتی کرنے والا اور بدعتی ہوگا کیونکہ شریعت مطہرہ نے ذکر کردہ ان تاریخوں میں اس کام سے نہ تو روکا ہے، نہ منع کیا ہے اور نہ ہی گناہ قرار دیا ہے پس اس کے باوجود کوئی صاحب اس کام کو ان تاریخوں میں باعث گناہ بتانے اور منع کرنے سے مقرر و متعین کرے گا تو وہ بھی شریعت مطہرہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے والا ہوگا کیونکہ شرعاً تو یہ کام ہر دن اور تاریخ میں جائز تھا مگر اس عقل سے عاری صاحب نے اس کام کو کسی دن اور تاریخ میں جائز سمجھ لیا اور کسی دن اور تاریخ میں ناجائز پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی تخصیص بھی ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۴) اسی طرح تہاج، دسواں، چالیسواں، گیارہویں اور بارہویں وغیرہ کو محض دن اور تاریخ کے ساتھ مقرر و متعین کرنے کی وجہ سے مطلقاً حرام کہنا شریعت مطہرہ میں زیادتی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مخالفین بھی ان ایام و تواریخ میں ایصال ثواب کو حرام کہتے ہیں لہذا اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ شمسی سال تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن کا ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ نے ان تمام دنوں میں ایصال ثواب جائز رکھا ہے بقول مخالفین اگر ہم نے ذکر کردہ پانچ دنوں میں ایصال ثواب کو جواز کے ساتھ خاص کر دیا ہے تو انہوں نے بھی ان پانچ دنوں میں ایصال ثواب کو حرام قرار دے کر جہاں ان پانچ دنوں کو ممانعت سے خاص کیا ہے وہاں بقیہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) دنوں کو جواز ایصال ثواب سے خاص کر دیا ہے مگر حیرت ہے کہ ہم تو صرف پانچ دن خاص کرنے کے سبب بقول مخالفین بدعتی کہلائیں اور خود وہ دوسری یعنی پانچ دنوں کی ممانعت سے اور تین سو ساٹھ دنوں کی جواز سے تخصیص کرنے کے باوجود پکے اہلحدیث کہلائیں، اِن هَذَا اِلَّا اِخْتِلَاقٌ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب مخالفین نے ذکر کردہ پانچ تاریخوں کو ایصال ثواب کی تحریم (یعنی ایصال ثواب کے حرام کرنے) کے لئے متعین کر لیا اور ظاہر ہے کہ ان پانچ تاریخوں میں ایصال ثواب کو حرام قرار دینا کوئی تعین عرفی و عادی تو ہے نہیں کہ مخالفین کی جان چھوٹ جائے بلکہ یہ تعین شرعی ہے کیونکہ وہ ان تاریخوں میں ایصال ثواب کرنے کو بدعت و گمراہی اور شرعاً حرام کہتے ہیں لہذا وہ یہ بھی بتائیں کہ اس شرعی حرمت اور تعین شرعی پر ان کے پاس کتاب و سنت سے کون سی صحیح اور صریح دلیل ہے۔

بلاشبہ مخالفین کی یہ تعین بدعت سیئہ ہے کہ انہوں نے سال کے (۳۶۵) دنوں میں سے (۳۶۰) دنوں کو ایصال ثواب کے جواز کے لئے اور باقی (۵) دنوں کو حرمت کے لئے متعین کر لیا ہے اور ایسی تعین بہر حال تعین شرعی ہے اور حکم مطلق میں ایسی بلا دلیل تعین شرعی کے بدعت سیئہ ہونے میں کسی اہل علم کو تو شبہ نہیں ہو سکتا البتہ جاہل یا تجاہل عارفانہ سے کام لینے والے کی بات ہی دوسری ہے اب مخالفین جوش میں نہیں ذرا ہوش میں آکر جواب دیں کہ حکم مطلق میں تعین شرعی بلا دلیل ہم نے کی ہے یا خود انہوں نے، اسی کو کہتے ہیں کہ (الٹا چور کو تو ال کوڈا نئے)۔

برادران اسلام! سلسلہ مذکورہ میں مزید وضاحت کے لئے فی الحال آخری بات یہ ہے کہ مثلاً صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم مطلق ہے

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ (الأحزاب: ٥٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان (نبی علیہ السلام) پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس فرمان الہی میں صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم مطلق ہے نہ کسی خاص صیغہ کی قید ہے اور نہ ہی کسی خاص ہیئت و حالت کی قید ہے لہذا ہر اس صیغہ کے ساتھ صلاۃ و سلام پڑھنا جس کا اطلاق صلاۃ و سلام پر درست اور صحیح ہو اس کی اجازت اس فرمان الہی کے تحت ہوگی۔

یونہی بیٹھ کر پڑھے یا کھڑے ہو کر ہر دو حالت میں پڑھنے کا جواز، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت ہوگا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان میں نہ کسی خاص تعداد کی قید ہے اور نہ ہی کسی خاص وقت کی قید ہے لہذا جس تعداد اور جس وقت میں صلاۃ و سلام پڑھا جائے گا وہ اس حکم الہی کے تحت ہوگا اب اگر کوئی یہ قید لگائے کہ یہ درود و سلام پڑھو وہ نہ پڑھو یا بیٹھ کر پڑھو، کھڑے ہو کر نہ پڑھو یا اتنی تعداد میں پڑھو، اتنی تعداد میں نہ پڑھو، یا اس وقت پڑھو اس وقت نہ پڑھو تو اس قید لگانے والے سے پوچھا جائے گا کہ یہ قید اللہ نے لگائی ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اگر وہ قید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے تو قرآن سے اور اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف کرے تو حدیث سے اس دعویٰ پر دلیل طلب کی جائے پھر اگر وہ اس قید پر دلیل نہ دے سکے اور ہرگز نہ دے سکے گا تو اس سے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہم کو اس من گھڑت قید کے مطابق عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ ہم پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ ہم اس قید کے مطابق عمل کریں جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کریم ﷺ نے لگائی ہے اور ساتھ ہی اس قید لگانے والے سے یہ بھی پوچھ لیا جائے کہ جو قید، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں لگائی ہے تو اس کو وہ قید لگانے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ اور اس فرمان الہی جو مطلق ہے اس میں خود ساختہ قید لگانے کی جرات کیوں کر کی ہے؟ یہاں سے ان مخالفین کی تردید ہوگئی ہے جو کہتے ہیں کہ صرف درود ابراہیمی پڑھو اس کے سوا کوئی درود نہ پڑھو، مخالفین کے نزدیک درود ابراہیمی کی یہ تخصیص اگر نماز کے ساتھ ہے تو ہم بھی اس کے منکر نہیں کیونکہ خود صاحب قرآن محمد رسول اللہ ﷺ نے درود ابراہیمی کی نماز کے ساتھ تخصیص فرمائی ہے باقی رہی یہ بات کہ نماز کے علاوہ بھی صرف درود ابراہیمی ہی پڑھو تو جاننا چاہیے کہ ایسی بات کہنے والے درحقیقت تخصیص شرعی کے دعویدار ہیں۔ اور ہم اس پر دلیل کے طلبگار ہیں لہذا مخالفین بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنے کی تخصیص فرمائی ہے اگر اس پر دلیل ہے تو بیان کریں ورنہ کچھ تو شرم کریں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نماز کے سوا درود ابراہیمی کی تخصیص نہیں فرمائی ہے بلکہ درود پڑھنے کے حکم کو مطلق رکھا ہے تو وہ کس منہ سے اور کس بل بوتے پر نماز کے علاوہ بھی درود ابراہیمی پڑھنے کی تخصیص کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں دخل اندازی کا جرم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود کتاب و سنت ہی پر عمل کا دعویٰ کرتے ہے کیا یہ (اپنے منہ میاں مٹھو) بننے کے مترادف نہیں ہے اس پر ہم تو اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ (یہ منہ اور مسور کی دال)

چلے کیوں بات بڑھائی ہے اگر مخالفین یہ کہیں کہ وہ نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنے کی تخصیص نہیں کرتے البتہ اس کے پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں کیونکہ درود ابراہیمی افضل درود ہے۔

تو جاننا چاہیے کہ ہم بھی درودِ ابراہیمی کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں چونکہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے یہاں بیان وضاحت میں درودِ ابراہیمی کا ذکر آگیا ہے لہذا تفصیل میں جانے کے بجائے صرف چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔
اولاً: مخالفین درودِ ابراہیمی پڑھنے کی ترغیب میں اپنا انداز تبلیغ بدلیں۔

ثانیاً: درودِ ابراہیمی کو افضل (سب سے اچھا، بہت بہتر) کہنے سے واضح ہو گیا کہ دوسرے بھی سب سے اچھے اور بہت بہتر نہیں تو اچھے اور بہتر ضرور ہیں۔

ثالثاً: درودِ ابراہیمی کے افضل ہونے سے مفضل یعنی دوسرے درود پڑھنے کا جواز ثابت ہو گیا ہے کیونکہ مُفَضَّل (فضیلت دیا گیا) کے اثبات سے مُفَضَّل علیہ (وہ جس پر کسی کو فضیلت دی گئی ہو) کی فضیلت کا بالکل یہ معدوم اور ختم ہونا لازم نہیں آتا جیسے نفل نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے سے لہذا نفل نماز کی بیان کردہ پہلی صورت مُفَضَّل اور دوسری صورت مُفَضَّل علیہ ہے۔
رابعاً: درودِ ابراہیمی کے افضل ہونے سے درودِ ابراہیمی اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا درود، ہر دو کے پڑھنے کا اختیار ثابت ہو گیا یعنی دونوں میں سے جسے چاہیں اختیار کریں، شرعاً اس پر کوئی اعتراض نہیں جیسے کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنا افضل ہے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے سے۔ اب نمازی کو اختیار ہے جسے چاہے اختیار کرے شرعاً اس پر کوئی اعتراض نہیں اس کے باوجود کوئی شریعت مطہرہ پر جرأت کرتے ہوئے اعتراض کرے تو وہ خود ساختہ ذاتی اعتراض ہوگا جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنا افضل ہے کہ (جتنا گڑا لواتنا ہی بیٹھا ہوتا ہے)

خامساً: مسائل تو کثیر ہیں بفضل اللہ تعالیٰ سو بھی بیان کیے جاسکتے ہیں لیکن بخوف طوالت یہاں صرف دو بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا افضل ہے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے سے۔

(۲) عورت کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا افضل ہے مسجد میں نماز پڑھنے سے۔

ان دونوں عمل میں افضلیت والی بات بالائے طاق رکھ کر آخر درودِ ابراہیمی میں کیوں افضلیت والی بات اس قدر شد و مد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے؟ مخالفین دل کی حقیقت بیان کریں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ضرور حاضری ہوگی جو علیم بذات الصدور ہے۔

اگر حقیقت دل بیان کرتے ہوئے خجالت آڑے آرہی ہے تو خیر چھوڑیے! ہم ان سے یہی پوچھ لیتے ہیں کہ خارج نماز درودِ ابراہیمی کا پڑھنا افضل کیوں ہے؟ اس سوال پر اگر مخالفین یہ جواب دیں کہ درودِ ابراہیمی زبانِ نبوت سے ادا ہوا ہے نیز یہ درودِ اہم و اعظم عبادت، نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے تو اس جواب پر ہم ان کو (جتنی دیگ اتنی خرچن) کے تحت مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”السلام عليك أَيُّهَا النَّبِيُّ“ جو اصل میں ”السلام عليك يا نبي الله“ تھا، کما لا يخفى على أولى النہی۔ ذکر کردہ سلام زبان رسالت سے ادا ہوا ہے نیز یہ سلام اہم و اعظم ہے عبادت نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مخالفین اس سلام کے پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے نظر نہیں آتے اور نہ ہی ان کا پڑھنا سنائی دیتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں ہماری آنکھوں یا کانوں کا قصور ہو یا مخالفین کا یہی دستور ہے کہ اپنا اُلوسیدھا کرنا۔

بہر حال نماز کے علاوہ درودِ ابراہیمی پڑھنے کی تخصیص شرعی کا دعویٰ بدعت مذمومہ کا مرتکب اور گناہ گار اور حکمِ الہی کا مخالف ہونے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا بھی مخالف ہے کہ آپ نے فرمایا:

عَنْ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا)).

﴿”صحیح مسلم“، کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، رقم الحديث: [۹۱۲]-۷۰- (۴۰۸) [طبعة دار السلام، الرياض].﴾

ترجمہ: جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں بھی دیگر قیود کے علاوہ کسی خاص صیغے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ مخالف کی بات صحابی رسول ﷺ کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ ”نسیم الریاض میں ابن ماجہ، بیہقی، دیلمی اور دارقطنی کے حوالے سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ.

﴿”نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض“، الباب الرابع من القسم الثاني فی حکم ﷺ، فصل فی

کیفیه أی: بیان ألفاظ الصلاة علیه، ج ۵، ص ۶۵ [دار الكتب العلمية، بیروت].﴾

ترجمہ: ”جب تم ان (نبی علیہ السلام) پر درود بھیجو تو بہت اچھے صیغوں سے بھیجو۔“

”سنن ابن ماجہ“ میں اس حدیث کا متن یہ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ.

﴿”سنن ابن ماجہ“، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الصلاة على النبي ﷺ، رقم الحديث: (۹۰۶)، ص ۶۵ [دار إحياء التراث العربي، بیروت].﴾

معلوم ہوا کہ نماز کے علاوہ درودِ ابراہیمی کی تخصیص شرعی کرنے والا قرآن و حدیث اور اثر صحابی کے خلاف بات کرنے کے ساتھ ساتھ محدثین کرام اور دیگر اولیاء عظام و علماء اسلام پر بھی اعتراض کرنے والا ہے کیونکہ ان حضرات نے درودِ ابراہیمی کے علاوہ دوسرے درود لکھے ہیں اور پڑھے بھی ہیں اگر مخالفین چاہیں تو کم از کم ”فضل الصلوات علی محمد سید السادات“ (از حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ) کا مطالعہ کر لیں ہم نے اس سلسلے میں علامہ جزولی کی تصنیف لطیف ”دلائل الخیرات“ کا مطالعہ کرنے کی پیشکش نہیں کی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اس کتاب کا رکھنا اور پڑھنا شرک ہو؟ یا اس جرم میں ان کے برادر معنوی یوم سعود کی محفل میں ان کی شرکت پر پابندی لگا دیں۔

البتہ ہم مخالفین سے یہ بات ضرور کہیں گے کہ میلاد حضور ﷺ پر زبان دراز کرنے والو! یوم سعود میں شرکت کرنے والو! یوم سعود منانے پر کیا تمہاری زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں یا تمہیں سانپ سونگھ جاتا ہے؟ تم اپنا حال خود ہی جانو ہم تو وہی کہتے ہیں جو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

رہے گا یونہی اُن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

برادران اسلام! بات دوسری جانب چلی گئی اصل مسئلہ یہ تھا کہ کسی کام کو مقرر و متعین کرنا جیسا کہ مسلمانوں میں اس کا عرف اور

عادت جاری ہے یہ بدعت مذمومہ و سیئہ ہے یا نہیں لہذا ہم درود شریف پڑھنے کے حکم کے تحت ایک بات بیان کرتے ہیں سماعت فرمائیے:

درود شریف پڑھنے کا حکم مطلق ہے اب اگر کوئی مسلمان روزانہ یا ہر جمعہ کو بعد نماز عشاء پابندی سے ۳۱۳ مرتبہ درود شریف پڑھنے کی عادت بنالے تو بلاشبہ یہ کارِ ثواب اور مامور بہ (جس کا حکم دیا گیا) کی ادائیگی ہوگی کیونکہ عام اصول ہے کہ حکم مطلق کے کسی بھی فرد کا ادا کرنے والا، مامور بہ کا ادا کرنے والا ہے البتہ یہ بات خلاف شرع ہوگی کہ ہر روز یا ہر جمعہ بعد نماز عشاء ۳۱۳ مرتبہ درود شریف پڑھنا، فرض، واجب یا سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص دلیل درکار ہے البتہ جواز اور حکم مطلق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ اس میں دن یا وقت یا تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لہذا جس دن، جس وقت اور جتنا درود شریف چاہے پڑھے کہ یہ باعثِ ثواب ہے اور دن، وقت اور تعداد کو مقرر کرنا، آسانی و سہولت اور دیگر کسی مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے یہ نظر یہ نہیں ہوتا کہ یہ دن، وقت اور تعداد شرعاً لازم و مقرر ہیں۔

کتاب و سنت اور تقریر اصولی اور وضاحت سے شمس و امس کی طرح اظہر و ازہر ہوا کہ درود شریف کا ذکر کردہ وظیفہ جائز اور کارِ ثواب ہے اس کے باوجود اگر مخالفین یہ کہیں کہ روزانہ یا ہر جمعہ کو بعد نماز عشاء (۳۱۳) مرتبہ درود شریف پڑھنا بدعت سیئہ اور گمراہی ہے کیونکہ اگر یہ کام باعثِ ثواب تھا تو پھر نبی کریم ﷺ نے کیوں نہیں کیا؟ اسی طرح صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ نے کیوں نہیں کیا؟ یونہی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے کیوں نہیں کیا؟ اس پر ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ذکر کردہ درود شریف کے وظیفہ کے عامل پر مطلقاً بدعت سیئہ اور گمراہی کا فتویٰ جڑ دینا ایک عقل سے عاری شخص ہی کا کام ہو سکتا ہے کسی عاقل کا اس سے بھلا کیا تعلق نیز مخالفین یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ جائز کام نہیں ہوگا بلکہ بدعت و گمراہی ہوگا، اگر بات ایسی ہے تو مخالفین اپنے تمام کاموں کی فہرست بنا کر غور و فکر کر لیں آیا ان تمام کاموں کا عملی ثبوت نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین و ائمہ مجتہدین سے ملتا ہے؟ ہمیں امید واثق ہے کہ اس وقت ان کی اس بات کی قلعی کھل جائے گی جسے اصول موضوعہ سے لپکا پوتا گیا تھا۔

برادران اسلام! اب ہم آپ کی توجہ اس سلسلہ کی طرف مبذول کراتے ہیں جسے مخالفین نے میلاد شریف کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں یوں جوڑا تھا کہ کیا رسول اللہ نے میلاد منایا تھا؟ کیا خلفاء راشدین نے میلاد منایا تھا؟ کیا چاروں اماموں نے میلاد منایا تھا؟ (یہ مخالفین کی گفتگو کا خلاصہ ہے)۔

لیکن مخالفین کا یہ سلسلہ کلام زیادہ نہیں چل سکا چنانچہ انہوں نے جذبات سے بے دم ہوتے ہوئے یہ سلسلہ توڑ دیا اور پھر فریب کاری کا جوڑ لگاتے ہوئے یوں کہا کہ سب سے پہلے جشن میلاد کو رائج کرنے والا مظفر نامی بادشاہ تھا جو جاہل اور بے دین تھا۔

برادران اسلام! پہلے ہم مخالفین کے سلسلہ کلام کو توڑنے اور پھر اسے جوڑنے کا راز آپ کے گوش گزار کرتے ہیں پھر مخالفین کی ذکر کردہ دونوں باتوں کا جواب دے کر آخر میں ان کے سلسلہ کلام کو جسے انہوں نے توڑا تھا اسے علماء اسلام اور مخالفین کے معتمد علماء کے اقوال سے جوڑیں گے۔

سامعین کرام! شاید آپ مخالفین کا سلسلہ کلام کو توڑنے اور جوڑنے میں کیا راز ہے؟ اس کے جاننے کے لئے بے چین ہوں گے،

لیجئے! پہلے ہم اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں، دراصل سلسلہ کلام کو توڑنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر مخالفین اپنے سلسلہ کلام کو تیرہویں صدی ہجری تک جاری رکھتے تو انہیں علماء اسلام کے وہ وہ اقوال بیان کرنے پڑتے جن سے محفل میلاد کے جواز و استحباب پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان کے خلاف جانے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے باعث خجالت بھی ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کلام کو جاری نہ رکھ سکے پس ان کی شرم اگر حق گوئی کے لئے آڑ بن گئی تو وہ اس بے جا شرم میں شرمندہ ہوتے رہیں۔

بہر حال ہم عنقریب اس سلسلہ کو جسے انہوں نے توڑا ہے ضرور جوڑیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) باقی رہا یہ اندازِ خطابت کہ حضرت قدسیہ کے اسماء ذکر کر کے اس جملے کی تکرار کرتے رہنا کہ کیا انہوں نے میلاد منایا؟ کیا انہوں نے میلاد منایا؟ اس پر ہم کہتے ہیں کہ کیا مخالفین، متقدمین کے نام ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ ان حضرات قدسیہ نے یہ کام نہیں کیا لہذا اس کا کرنا بدعت و گمراہی اور دخول جہنم کا باعث ہے اگر ان کا یہی گمان فاسد ہے تو ذرا ہوش سے بتائیں کہ علی الاطلاق یہ قاعدہ اور ضابطہ کیا قرآن نے بیان کیا ہے یا حدیث میں آیا ہے اگر اس پر کوئی نص صریح اور دلیل صحیح ہے تو بیان کریں ورنہ تسلیم کریں کہ یہ قاعدہ من گھڑت اور اختراعی ہے ہاں اگر مخالفین یہ کہیں کہ یہ قاعدہ تو صرف اہلحدیث حضرات کے لئے گھڑا گیا ہے دوسروں کے لئے نہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا البتہ یہ کہیں گے کہ یہاں اہل حدیث سے اصل اہل حدیث تو مراد نہیں ہو سکتے ہیں اگر خود ساختہ اہلحدیث مراد ہوں تو یہ بعید نہیں کیونکہ ایسے اصول موضوعہ کا صدور ان ہی کے قبور نما صدور سے ہو سکتا ہے، فی الحال ہم بطور اختصار مخالفین کے طرز بیان پر اصول کے تحت گفتگو کرتے ہیں اور اہل علم کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اصول کے دائرے میں کلام کرتے ہیں جبکہ اس کے برعکس قرآن حکیم کی آیات اور نبی کریم ﷺ کی احادیث پڑھ کر پھر اپنی من مانی اور بے اصولی تفسیر و تشریح کرنے کی روش جہالت یا تجاہل عارفانہ پڑنی اور کتاب و سنت سے بے راہ روی ہے۔

اب ہم مخالفین کی ذکر کردہ بات پر چند گزارشات بیان کرتے ہیں:

اولاً: اگر کسی کام کا کرنا نبی کریم ﷺ اور صحابہ وائمہ سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے یہ کام کیا ہی نہ ہو البتہ یہ فائدہ ضرور حاصل ہوگا کہ احادیث و آثار میں اس کام کا کرنا بیان نہیں ہوا نہ یہ کہ اس کام کا نہ کرنا بیان ہوا ہے جیسا کہ مخالفین نے سمجھ لیا ہے لہذا مخالفین اگر سچے ہیں تو بتائیں کہ کس حدیث رسول یا اثر صحابی میں یہ بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے میلاد نہیں منایا ہے؟ ہماری طرف سے مخالفین کو اجازت ہے کہ وہ تمام کتب احادیث و آثار کا مطالعہ کر کے ایک ایسی حدیث یا اثر بحوالہ بیان کر دیں جس میں یہ مذکور ہو کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو کہ ہم نے میلاد نہیں منایا یا ہم میلاد نہیں مناتے ہیں باقی رہی اصول کی بات تو سنئے ”تفسیر کبیر“ میں امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ہے:

عدم الوجدان لا يدل على عدم الوجود. ﴿التفسير الكبير﴾ [البقرة: ۸۱] ج ۱، ص ۵۶۹ [طبعة دار إحياء التراث، بيروت]. ﴿

ترجمہ: یعنی کسی چیز کا نہ پایا جانا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

”فتح القدیر“ میں ہے:

عدم النقل لا ينفي الوجود. ﴿شرح فتح القدیر﴾، کتاب الطہارات، ج ۱، ص ۲۰ [دار الكتب العلمية، بيروت]. ﴿

یعنی کسی چیز کے منقول نہ ہونے سے اس کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

ثانیاً: بر سبیل تنزیل بقول مخالفین نبی کریم ﷺ نے میلا نہیں منایا لیکن اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ کسی کام کا نہ کرنا الگ بات ہے اور کسی چیز سے منع کرنا الگ بات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کام ممنوع ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے لیکن وہ کام مطلقاً ممنوع نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ نے نہ کیا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴿الحشر: ۷﴾

ترجمہ: اور رسول جو تمہیں دیں تو وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں تو اس چیز سے رک جاؤ

اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ ما فعل الرسول فخذوه وما لم يفعل فانتھوا یعنی جس کام کو رسول نے کیا اسے تو کر لو اور جو کام نہیں کیا اس سے رک جاؤ لہذا مخالفین زیادہ بات بنانے کے بجائے ایک ایسی قرآن کی آیت یا کوئی حدیث رسول بتائیں جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے میلا دمنانے سے منع کیا ہو اگر ایسی بات نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو فرمان الہی پر غور کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّتَةُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿النحل: ۱۱۶﴾

ترجمہ: اور جھوٹ نہ بولو جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا باندھو گے، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

ثالثاً: مخالفین نے جن ذواتِ قدسیہ سے میلا دمنانے کی نفی کی ہے اس سے مراد نفس میلا دمنانے کی نفی ہے یا مروجہ اور بھیئت کذائتہ میلا دمنانے کی نفی ہے اگر نفس میلا دمنانے کی نفی ہے تو یہ درست نہیں جیسا کہ ہم میلا دالنبی ﷺ کی شرعی حیثیت کے ماتحت بیان کریں گے اور اگر مروجہ میلا دمنانے کی نفی ہے تو پہلے وہ اس بات کا اقرار کریں کہ ان ذواتِ قدسیہ نے نفس میلا دمنایا ہے پھر یہ بتائیں کہ مروجہ میلا دمنانے میں ایسی کون سی چیز ہے جو خلاف شرع ہے؟

رابعاً: مخالفین، ذکر کردہ حضراتِ قدسیہ سے میلا دمنانے کی نفی کر کے کون سا حکم ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟ جواز کا یا عدم جواز کا۔ ہمارے خیال میں تو مخالفین اس سے میلا دمنانے کے عدم جواز یعنی ناجائز ہونے کا حکم ظاہر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اگر برسرِ منبر میلا دمنانے کے جائز ہونے کا حکم ظاہر کریں گے تو ان کی برادری انہیں زیرِ منبر نہیں بلکہ خارجِ مسجد کر دے گی بہر حال وہ داخلِ مسجد ہوں یا خارج مسجد ہمیں اس سے کیا؟ زیرِ بحث اصل بات تو یہ ہے کہ کسی کام کے نہ کرنے سے اس کے ناجائز ہونے کی دلیل پکڑنا یہ بھی اصول کے خلاف ہے چنانچہ امام قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

الفعل يدل على الجواز عدم الفعل لا يدل على المنع.

﴿"الفتاوى الرضوية" (بحواله "المواهب اللدنية") ج ۲۶، ص ۵۴۳ [مطبوعه رضا فاؤنڈیشن، لاہور].﴾

پس واضح ہوا کہ مخالفین نے اصول کے بالکل برعکس بات کی ہے کیا اہل حدیث کا یہی طریقہ ہے کہ نہ کرنے کو منع ٹھہرایا۔

مخالفین نے خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام ذکر کرتے ہوئے کہا: کیا امام ابوحنیفہ نے میلاد منایا تھا؟ مخالفین کا اس بات کو بیان کر کے احناف کو الزام دینا مقصود ہے کہ تم تو امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہو پھر بھی میلاد مناتے ہو حالانکہ تمہارے امام نے تو میلاد منایا ہی نہیں۔

یوں لگتا ہے کہ مخالفین نے ابھی تک تقلید کا مطلب نہیں سمجھا یا کسی نے ان کو سمجھایا نہیں یا ہو سکتا ہے کہ سمجھایا تو ہو مگر انہوں نے سمجھا نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سمجھایا ہی غلط ہو تو پھر سمجھنے میں کیا قصور چنانچہ ”فتاویٰ ثنائیہ“ [مطبوعہ اسلامی پبلشنگ ہاؤس، لاہور] ج ۱، ص ۴۵۷ پر لکھا ہے کہ ”صحیح بخاری“ میں بھی ایک ایسی (یعنی سینے پر ہاتھ باندھنے کی) حدیث آئی ہے حالانکہ ہمارے پاس ”صحیح بخاری“ کے مختلف مطابع کے کئی عربی اور مترجم مطبوع نسخے موجود ہیں مگر ہمیں کسی بھی مطبوع نسخے میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہیں ملی اگر مخالفین کے علم میں ہے تو حوالہ دیں مگر ”صحیح البخاری“ کا نام ضرور یاد رکھیں۔

اگر مخالفین برانہ مانیں تو ہم یہ بات کہہ دیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ”صحیح البخاری“ کا وہ نسخہ جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث ہے وہ مطبعہ ثنائیہ کا چھپا ہوا ہو جیسے ہمارے پاس ”دار الفکر“ کا چھپا ہوا ایک نسخہ تفسیر صاوی کا موجود ہے جس میں علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۳۳ھ کی ایک پوری عبارت ہی اڑادی گئی ہے پھر مت بھی ایسی ماری گئی کہ جس جگہ سے عبارت اڑائی گئی تھی اسے سادہ ہی چھوڑ دیا گیا یہی وجہ تھی جس نے ہمیں شک میں ڈالا اور یہ شک اس وقت یقین سے بدل گیا جب ہمارے پاس انی محترم فاضل نبیل حضرت علامہ حافظ قاری سید ممتاز احمد اشرفی ”مہتمم دارالعلوم اشرفیہ رضویہ“ تشریف لائے انہوں نے اپنے پاس موجود ”تفسیر صاوی“ سے وہ عبارت بتائی جو اڑادی گئی تھی، عبارت یہ ہے: کما هو مشاهد الان في نظائرهم وهم فرقة بأرض الحجاز يقال لهم: الوهابية. [ج ۳، ص ۳۰۷] یعنی علامہ صاوی مالکی علیہ الرحمہ نے خارجیوں کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: اب خارجیوں کی مثل لوگوں کا مشاہدہ کرنا چاہو تو وہ سرزمین حجاز (حرین شریفین) میں ایک فرقہ ہے جسے وہابیہ کہا جاتا ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ جہاں ”تفسیر صاوی“ میں ایک عبارت گھٹادی گئی ہے وہاں ”صحیح البخاری“ کے ایک ایسے نسخے میں ایک حدیث بڑھادی گئی ہے۔

برادران اسلام! تقلید نام ہے مجتہد کے اس اجتہادی قول پر عمل کرنے کا جسے مستند دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد اور استنباط کر کے ظاہر کرتا ہے لہذا مخالفین بتائیں کہ کیا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محفل میلاد منانے سے منع کیا ہے اگر منع کیا ہے تو وہ حوالہ دیں ورنہ اپنا الزام اپنے پاس ہی رکھیں فی الحال ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب ہم مخالفین کی ذکر کردہ دو باتوں کا جائزہ لیتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) جشن میلاد کی ابتدا کرنے والا مظفر نامی ایک بادشاہ تھا۔

(۲) وہ جاہل اور بے دین تھا۔

پہلی بات کے جواب میں ہم اولاً شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی تحقیق بیان کرتے ہیں پھر مزید ایک بات بیان کر کے اس کا اختتام کریں گے یہ ایک جزوی مسئلہ ہے جسے مخالفین نے بیان کرنے کی ناجانے کیوں کوشش کی؟

شیخ الحدیث والتفسیر لکھتے ہیں:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ میلاد شریف کی محفل کی ابتداء اور ایجاد ساتویں صدی ہجری (اب پندرہویں صدی ہجری چل رہی ہے - رضوی) میں اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر نے کی ہے اور اس بات کو حافظ ابن کثیر کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر نے ”البدایۃ والنہایۃ“ میں ابوسعید مظفر متوفی ۶۳۰ھ کا مکمل تذکرہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے محفل میلاد مناتے تھے یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ محفل میلاد کے موجد (ایجاد کرنے والے، رضوی) تھے اور انہوں نے اس کی ابتداء کی ہے۔ ﴿”شرح صحیح مسلم“، للعلامة السعدي، ج ۳، ص ۱۸۸ [مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور]﴾

چنانچہ ”البدایۃ والنہایۃ“ (ج ۱۳، ص ۱۳۷) کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بالکل عیاں اور ظاہر و باہر ہو جائے گی، نیز علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ اپنی تصنیف لطیف ”سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد“ میں لکھتے ہیں:

كان أول من فعل بالموصل عمر بن محمد الملاء أحد الصالحين المشهورين وبه اقتدى في ذلك صاحب إربل

وغيرهم رحمهم الله تعالى. ﴿”سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد“، الباب الثالث عشر فی عمل المولد الشریف واجتماع

الناس له، ج ۱، ص ۳۶۵ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

ترجمہ: پہلا شخص جنہوں نے اہتمام اور شان و شوکت سے موصل میں محفل میلاد منائی وہ شیخ عمر بن محمد تھے جو مشہور صالحین میں سے ایک تھے اور صاحب اربل ابوسعید مظفر اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس عمل میں ان کی پیروی کی ہے۔

صاحب ”اشباع الکلام“ حضرت علامہ مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی کانپوری علیہ الرحمہ نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے جو تفصیل کا خواہاں ہے وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے (حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ رسالہ ۱۲۷۲ھ میں لکھا تھا) ہم زیر بحث مسئلہ پر اسی رسالہ سے جو فارسی میں لکھا گیا ہے خلاصہ بیان کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

میلاد منانے کی اصل کتاب وسنت سے ملتی ہے اسی طرح نفس میلاد منانے کی حقیقت زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں موجود تھی اگرچہ اس نام اور اہتمام سے میلاد منانے کا ذکر احادیث و آثار میں نہیں ملتا ہے جیسا کہ علماء نے لکھا ہے، باقی رہی یہ بات کہ اس نام اور خصوصیت و اہتمام کے ساتھ میلاد شریف منانے کی ابتدا کس نے کی؟ تو اس سلسلے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس فعل حسن کی ابتداء اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر نے کی تھی اور شیخ ابن دحیہ متوفی ۶۳۰ھ نے اس عنوان پر ایک کتاب بنام ”التنوير في مولد البشير النذير“ لکھی (اس کا نام ”التنوير في مولد السراج المنير“ بھی ملتا ہے) جس پر بادشاہ موصوف نے ان کو انعام و اکرم سے نوازا اور حضرت علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ نے بھی اپنی تصنیف لطیف ”سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد“ میں اس بات کو لکھنے کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس فعل خیر کی ابتداء شیخ عمر بن محمد نے موصل میں کی تھی اور بادشاہ ابوسعید مظفر اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس میں شیخ موصوف کی پیروی کی لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے کیونکہ بادشاہ ابوسعید مظفر کے محفل میلاد کی ابتداء کرنے سے مراد نسبت اضافی ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ بادشاہوں میں سے جس بادشاہ نے سب سے پہلے اس کی ابتداء کی ہے وہ بادشاہ ابوسعید مظفر تھے جبکہ شیخ عمر بن محمد کے محفل میلاد کی ابتداء کرنے سے مراد نسبت حقیقی ہے کہ اس کے بعد پھر بادشاہ ابو

سعید مظفر اور دوسرے بادشاہوں اور عوام و خواص نے شیخ عمر بن محمد کی پیروی کی لہذا ذکر کردہ صورت میں اس کی ابتداء بادشاہ ابوسعید مظفر سے نہیں ہوئی بلکہ شیخ عمر بن محمد علیہ الرحمہ سے ہوئی۔

بہر حال علماء اسلام کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے یہ بات تو اتفاقی طور پر ملتی ہے کہ نام اور خصوصیت و اہتمام کے ساتھ میلاد شریف منانا قرونِ ثلاثہ (یعنی عہد رسالت و صحابہ و تابعین) کے بعد وجود میں آیا باقی رہائیس میلاد منانا تو وہ ابتداء ہی سے جاری ہے جس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ، میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت کے تحت بیان ہوگی اس مختصر وضاحت کے بعد اظہر من الشمس ہوا کہ میلاد منانے کی ابتداء کو بادشاہ ابوسعید مظفر پر موقوف کر دینا صحیح نہیں ہے اس کے باوجود اگر مخالفین اس بات پر اصرار کریں کہ میلاد منانے کی ابتداء مظفر نامی بادشاہ ہی نے کی تھی تو وہ اس پر صریح اور صحیح دلیل پیش کریں بالفرض مخالفین اگر اپنی بات کو صریح و صحیح دلیل سے ثابت بھی کر دیں (حالانکہ ایسا ممکن نہیں ہے) تو بھی اس میں نہ ان کا فائدہ ہے اور نہ ہمارا نقصان کیونکہ میلاد شریف منانے کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا دار و مدار اس بات پر تو نہیں ہے کہ اس کی ابتداء کرنے والا بادشاہ ابوسعید مظفر تھا یا کوئی اور۔

آئیے! اب مخالفین کی دوسری بات کا جائزہ لیتے ہیں جو یہ ہے کہ بادشاہ مظفر جاہل اور بے دین تھا۔

برادران اسلام! ہم اس سلسلے میں کچھ بیان کرنے سے قبل ایک بات آپ کے گوش گزار کرتے ہیں کہ مخالفین نے ماہِ محرم الحرام میں مسئلہ یزید پر گفتگو کرتے ہوئے سورۃ الحجرات کی آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] پڑھ کر یوں لب کشائی کی تھی ایک مسلمان جس کے انتقال کو عرصہ گزر چکا ہو اس کے متعلق محض تاریخی باتوں کو دلیل بنا کر بدگمانی کرنا کسی صورت درست اور عقلمندی کی بات نہیں ہے کیونکہ بہر حال ایک مسلمان کی عزت و حرمت قطعیت سے ہے جو ظنیات سے زائل نہیں ہو سکتی ہے۔

قطع نظر اس کے مخالفین نے یزیدیت کو آئینہ حق میں دکھانے کے لئے کس قدر کوشش ناروا کی تھی ہم صرف یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کونسا لاوا ان کے اندر پک رہا تھا کہ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ انہوں نے اس قلیل مدت میں خود اپنی بات کو فراموش کر کے کس بل بوتے پر بادشاہ ابوسعید مظفر کو جاہل اور بے دین بنا دیا؟ کیا ان کے پاس اس دعویٰ بے جا پر کوئی دلیل قطعی تھی یا ان کو بادشاہ موصوف کے جاہل اور بے دین ہونے کے متعلق الہام ہوا تھا؟ شاید وہ اس مدت قلیل میں ایسے علیل ہو گئے کہ خود ان کو اپنے ہی کلام سے نسیان ہو گیا یا انہوں نے ”دروغ گو را حافظہ نباشد“ کا مصداق بنا پسند کر لیا بہر حال یہ دورنگی بات کرنے والے ہی جانیں کہ انہوں نے گرگٹ کی طرح رنگ کیوں بدلا ہے؟ ہم تو بس یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ بادشاہ ابوسعید مظفر (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) کے متعلق کچھ باتیں بیان کر دیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

اختصار کے پیش نظر عبارات عربیہ ترک کر کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

”بزرگ اور نیک بادشاہوں اور عظیم اور فیاض سرداروں میں سے ایک ابوسعید مظفر بادشاہ تھے وہ ربیع الاول میں میلاد شریف کرتے تھے اور بہت عظیم محفل کا انعقاد کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تیز فہم، طاقتور، بہادر، نڈر، عقلمند، عالم اور عادل تھے اللہ تعالیٰ

ان پر رحم فرمائے اور ان کا ٹھکانہ جنت فرمائے۔ ﴿”البدایہ والنہایہ“، ۱۳/۱۳ عربی عبارت شرح صحیح مسلم (مترجم بہ اردو) ج ۳، ص ۱۸۸ پر دیکھئے﴾

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

”بادشاہ ابوسعید مظفر تیز فہم، بہادر، دلیر، عقلمند، عالم اور عادل تھے ان کا زمانہ سلطنت طویل مدت رہا یہاں تک کہ انگریزوں کا محاصرہ کرنے کی حالت میں شہر عکامیں ۶۳۰ھ میں ان کا وصال ہو گیا وہ ظاہر و باطن کے اچھے تھے۔“

﴿عربی عبارات ضیاء النبی ج ۲، ص ۴۹ پر دیکھئے﴾

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اربل کے بادشاہ أبو سعید مظفر کو کبریٰ بن زین الدین علی بن بکتکین بزرگ اور بڑے فیاض بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھے اور وہ اچھے کردار کے مالک تھے۔ ﴿”الحاوی للفتاویٰ“، ج ۱، ص ۲۲۲ [دار الفکر، بیروت]﴾ مزید لکھتے ہیں:

ابوسعید مظفر ایک عادل اور عالم بادشاہ تھے اور انہوں نے میلاد شریف کی محفل کے انعقاد کے ذریعے تقرب الہی کا قصد کیا اور محفل میلاد میں ان کے پاس علماء و صلحاء بغیر کسی انکار کے موجود ہوتے تھے۔ ﴿”الحاوی للفتاویٰ“، ج ۱، ص ۲۲۵ [دار الفکر، بیروت]﴾ علامہ ابن جوزی کے پوتے ”مرآة الزمان“ میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ ابوسعید مظفر کے پاس محفل میلاد میں بڑے بڑے علماء اور صوفیہ موجود ہوتے تھے۔ ﴿”الحاوی للفتاویٰ“، ج ۱، ص ۲۲۲ [دار الفکر، بیروت]﴾

علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

”ابوسعید مظفر بزرگ اور بڑے فیاض بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھے۔“

﴿”سبل الہدی والرشاد“، ج ۱، ص ۳۶۲ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بیروت]﴾

علامہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ کے شیخ حضرت علامہ ابوشامہ نے اپنی کتاب ”الباعث علی إنکار البدع والحوادث“ میں ابوسعید مظفر بادشاہ کی میلاد منانے کی وجہ سے تعریف و توصیف کی ہے۔ ﴿”إشباع الکلام“، ص ۳۲﴾

برادران اسلام! ہم نے اجلہ علماء کرام کی عبارات کی روشنی میں بادشاہ ابوسعید مظفر علیہ الرحمہ کا تعارف آپکے گوش گزار کر دیا ہے اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مخالفین کا بادشاہ موصوف کو جاہل اور بے دین کہنا، کتنا بڑا ظلم و ستم ہے حالانکہ علماء اسلام نے بادشاہ موصوف کو بہادر، سخی، فیاض، عاقل، عالم اور عادل وغیرہ لکھا ہے، ہو سکتا ہے کہ مخالفین کی اپنی لغت میں مذکورہ صفات کے حامل شخص کو جاہل اور بے دین کہا جاتا ہو، بہر حال ہم ایسی لغت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں جو ایک عاقل اور عالم کو جاہل اور فیاض و عادل کو بے دین قرار دیتی ہو۔

سردست ہم مخالفین کی اس بات پر بھی کچھ تبصرہ کر دیتے ہیں جو انہوں نے تاریخ میلاد و وفات کے بارے میں کہی تھی انہوں نے کہا تھا کہ اصح روایت تاریخ ولادت میں ۹ ربیع الاول والی ہے اور تاریخ وفات میں ۱۲ ربیع الاول والی ہے۔

اس بات سے ظاہر ہوا کہ مخالفین کے نزدیک وہ روایت بھی زیادہ صحیح ہے جس میں تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول آئی ہے اور اسی طرح وہ روایت بھی زیادہ صحیح ہے جس میں تاریخ وفات ۲ ربیع الاول آئی ہے۔

آئیے پہلے بالترتیب ان دونوں تاریخوں میں تبصرہ سماعت فرمائیے، اس کے بعد ہم مخالفین کی ایک ماتی بات پر گفتگو کریں گے۔
نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔

(۱) مشہور سیرت نگار علامہ ابن ہشام متوفی ۲۱۳ھ نے عالم اسلام کے اول سیرت نگار امام محمد اسحاق متوفی ۱۵۱ھ سے ”السيرة النبوية“، الجزء الأول، ج ۱، ص ۸۴ [مطبوعة دار المنار قاهرة] پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۲) مشہور مفسر و مؤرخ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے ”تاریخ الأمم والملوک“، ج ۱، ص ۴۵۳ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے [مطبوعة دار الكتب العلمية، بیروت]۔

(۳) ”المستدرک“ (از امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ) میں ہے:

حدثنا أبو الحسن محمد بن أحمد بن شبيب الرئيس بمرور، ثنا جعفر بن محمد النيسابوري، ثنا علي بن مهران،

ثنا سلمة بن الفضل، عن محمد بن إسحاق، قال: وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَانْتَتِي عَشْرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ.

﴿المستدرک علی الصحیحین﴾، کتاب تواریخ المتقدمین، باب: ذکر أخبار سید المرسلین، ج ۴، ص ۱۵۶۸، رقم الحديث: (۴۱۸۲)

[مطبوعة مكتبة نزار مصطفى الباز، الرياض]۔

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے ”مدارج النبوة“ ج ۲، ص ۱۴ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔ [مطبوعة نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور]۔

(۵) امام ابوالفتح محمد بن محمد اندلسی متوفی ۷۳۴ھ نے ”عیون الاثر“ ج ۱، ص ۷۹ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔ [طبعة دار ابن کثیر، دمشق]۔

(۶) ماہر علم سیاست اسلامیہ علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے ”إعلام النبوة“، ص ۱۹۲ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۷) محدث ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے ”الوفاء“ ص ۹۰ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے اگرچہ محدث ابن جوزی نے تاریخ میلاد میں کئی اقوال قلمبند کئے ہیں، لیکن انہوں نے امام ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ۲ ربیع الاول لکھ کر اسے ترجیح دی ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی دوسری تصنیف ”بیان میلاد النبی“، ص ۳۱ پر ۲ ربیع الاول کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۸) امام تاریخ و فلسفہ علامہ ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے ”تاریخ ابن خلدون“ ج ۲، ص ۷۱۰ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۹) شیخ محمد ابوزہرہ نے ”خاتم النبیین“، ج ۱، ص ۱۱۵ پر تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۱۰) شیخ محمد رضا امین لائبریری آف قاہرہ یونیورسٹی نے ”محمد رسول اللہ“، ج ۲، ص ۱۹ پر ﴿73﴾

تاریخ میلاد ۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(۱۱) دور حاضر کے سیرت نگار شیخ محمد صادق ابراہیم عرجون پرنسپل آف کلیہ اصول دین از ہریونیورسٹی نے ”محمد رسول اللہ“ ج ۱، ص ۱۰۲ پر تاریخ میلاد ۱۲ ربیع الاول لکھی ہے۔

(مؤخر الذکر چھ حوالہ جات مفسر قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ از ہری علیہ رحمۃ القوی کی تصنیف لطیف ”ضیاء النبی“ سے ماخوذ ہیں، تاریخ میلاد پر تفصیلی تحقیق جلد دوم ص ۳۳ سے، ص ۴۱ تک ملاحظہ فرمائیجئے)۔

برادران اسلام! اب مفسر ابن کثیر کے حوالے سے تاریخ میلاد میں اختلاف رائے آپ کے گوش گزار کی جاتی ہے مخالفین بھی بالخصوص سن لیں کہ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

الجمهور على أن ذلك كان في شهر ربيع الأول یعنی جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول کے میں ہوئی۔

پس اس سے واضح ہوا کہ ولادت باسعادت کا مہینہ تو ربیع الاول ہے باقی رہی تاریخ تو بعض نے اس ماہ کی دو تاریخ بعض نے آٹھ اور بعض نے دس بتائی ہے اور شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ سے آٹھ تاریخ منقول ہے لیکن مخالفین نے اپنے امام کبیر شیخ ابن حزم کے مقابل ۹ تاریخ زیادہ صحیح قرار دی ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ۱۲ ربیع الاول کے تاریخ میلاد ہونے پر امام ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ کا قول لکھ کر امام بخاری اور امام مسلم کے استاد، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۳۳۵ھ کی حدیث کی کتاب ”مصنف ابن ابی شیبہ“ سے ایک روایت نقل کی جو یہ ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا قَالَا: وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ. ﴿البداية والنهاية، باب مولد رسول الله ﷺ، ج ۲، ص ۲۸۲ [دار الكتب العلمية، بيروت]﴾

ترجمہ: حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیر کے دن ربیع الاول کے کی بارہویں تاریخ میں پیدا ہوئے۔

معلوم ہوا کہ مخالفین نے ۹ تاریخ کو صحیح کہہ کر اپنے امام صغیر مفسر ابن کثیر کو بھی رد کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے مذکورہ بالا روایت لکھنے کے بعد لکھا: هذا هو المشهور عند الجمهور یعنی جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہی تاریخ بارہ ربیع الاول مشہور ہے۔

بلکہ مخالفین نے اپنے مجدد نواب صدیق حسن خاں قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا ہے کیونکہ نواب موصوف ”الشمامة العنبرية“ ص ۷ پر لکھتے ہیں کہ ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر روز شنبہ (پیر کے دن۔ رضوی) شب دوازدہم ربیع الاول عام الفیل (عام الفیل میں ربیع الاول کی بارہویں شب۔ رضوی) کو ہوئی جمہور علماء کا یہی قول ہے، ابن جوزی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

یاد رہے کہ نواب موصوف کے لئے لفظ ”مجدد“ ہم نے نہیں کہا ہے بلکہ مخالفین کے علامہ وحید الزمان نے ”لغات الحديث“ کتاب الباء، ص ۷۷ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی] پر لکھا ہے شیخ وحید الزمان نے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے بوقت ضرورت ان کے گوش گزار کیا جائے گا نیز ان ہی کے سوا دوسرے علامہ محمد شمس الحق نے بھی نواب موصوف کو مجدد قرار دیا ہے حوالہ کے

لئے کتاب ”الحظة في ذكر الصحاح الستة“ [مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور] کی ابتداء میں ترجمہ المؤلف دیکھئے۔

کیا یہی ہے مخالفین کا اصل روپ کہ اپنوں کو جو جی چاہے بنائیے دوسروں کو خاطر میں نہ لائیے بلکہ معاذ اللہ بدعتی و مشرک بنائیے۔
برادران اسلام! مخالفین نے ۹ ربیع الاول کو اصح روایت قرار دینے پر نہ ”صحیح بخاری“ کا حوالہ دیا نہ ہی ”صحیح مسلم“ کا یونہی صحاح ستہ میں سے بقیہ چار کتب حدیث یا دیگر کتب حدیث سے بھی کوئی حوالہ نہیں دیا مگر ہیں پکے المحدث؟ واہ! یہ منہ اور مسور کی دال۔

ہم نے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول میں ہونے پر بارہ حوالے دیئے ہیں جن میں امام بخاری کے استاد امام ابو بکر ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ سے ایک صحیح الاسناد روایت جو دو جلیل القدر صحابی حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ کے گوش گزار کی، اب اس روایت کے راویوں کی ثقاہت کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ مخالفین یہ شبہ نہ ڈالیں کہ یہ روایت جھوٹی یا ضعیف ہے: اس روایت کے پہلے راوی خود امام ابو بکر ابن ابی شیبہ ہیں ان کے بارے میں حضرت ابو زر عرازی متوفی ۲۶۴ھ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا، محدث ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ کہتے ہیں وہ عظیم حافظ حدیث تھے، دوسرے راوی حضرت عفان ہیں ان کے بارے میں محدثین کرام کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک بلند پایہ امام، ثقہ، صاحب ضبط و ایمان تھے تیسرے راوی حضرت سعید بن میناء ہیں ان کا شمار بھی ثقہ راویوں میں ہوتا ہے، حوالہ کے لئے ”سیر أعلام النبلاء“، ”تقریب التہذیب“ اور ”خلاصة التہذیب“ دیکھئے۔

لہذا اس معتبر اور صحیح الاسناد روایت کی موجودگی میں کسی مؤرخ کا قول یا ماہر فلکیات کا ظن و تخمین، لائق التفات اور قابل قبول ہرگز نہیں ہو سکتا ہے پس مخالفین کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنے دعویٰ کے مطابق ایسی صحیح روایت بیان کریں جس میں تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بیان ہوئی ہو پھر اس کے اصح ہونے کی معقول وجہ بیان کریں ورنہ اپنا بے دلیل دعویٰ اپنے پاس ہی رکھیں۔

اب ہم نبی کریم ﷺ کا یوم ولادت بارہ ربیع الاول ہونے پر مزید گفتگو کرتے ہیں تاکہ مخالفین کو علی الاعلان یہ کہنے کی جرات نہ ہو کہ یوم میلاد اصح روایت میں ۹ ربیع الاول آیا ہے۔

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ جن کے پاس حیا نہیں تو وہ جو جی چاہے کرتے اور کہتے پھریں اور ظاہر ہے کہ ہماری گفتگو ان عدیم الحیا کے لئے ہے بھی نہیں۔

حضرت زبیر بن بکار، امام ابن عساکر اور امام جلال الدین وغیرہم نے بارہ ربیع الاول کے یوم میلاد ہونے پر اہل تحقیق کا اجماع نقل کیا ہے اور یہی جمہور علماء اور جمہور اہل اسلام کا مسلک اور ان میں مشہور ہے۔ حوالہ جات نوٹ کر لیجئے:

(۱) ”السيرة الحلبية“، ج ۱، ص ۸۴ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت].

(۲) ”زرقانی علی المواہب“، ج ۱، ص ۱۳۲ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت].

(۳) ”ماثبت من السنة“، ص ۹۸ [ادارة نعيمه رضويه، لاہور].

(۴) ”الشمامة العنبرية“، ص ۷.

(۵) ”البدایة“، ج ۲، ص ۲۶۰.

(۶) ”الفتح الرباني“، ج ۲، ص ۱۸۹.

(۷) ”حجة الله على العلمين“، ج ۱، ص ۲۳۱۔

(۸) ”مدارج النبوة“، ج ۲، ص ۱۴ [مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور] وغیرہا

ذکر کردہ کتب کے مطالعہ ہی سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ بارہ ربیع الاول کے یوم میلاد ہونے پر اہل مکہ متفق چلے آ رہے ہیں اور اس تاریخ میں حضور ﷺ کی جائے ولادت پر حاضر ہو کر میلاد شریف منانے کا قدیم سے اہل مکہ کا معمول رہا یونہی بارہ ربیع الاول کو میلاد شریف کرنے کا اہل مدینہ کا بھی معمول رہا لیکن افسوس! نجدی حکومت کے قیام کے بعد اس عمل کو گمراہی کہہ کر حکومت نجدیہ نے بند کر دیا لیکن یوم سعود آج بھی حکومت کی سطح پر منایا جا رہا ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ تاریخ ولادت پر ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں تعامل مسلمین حریم شریفین جو مصر و شام بلاد اسلامیہ و ہندوستان میں ۱۲ھ پر ہے اس پر عمل کیا جائے اور روز ولادت شریف اگر آٹھ یا بفرض غلط نوا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عید میلاد النبی کرنے سے کوئی ممانعت ہے۔

﴿”الفتاویٰ الرضویہ“، ج ۲۶، ص ۴۲۸ [مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور]۔﴾

تاریخ ولادت کے سلسلے میں مخالفین کی گل فشانی کی وجہ شاید یہ ہے جیسا کہ ان کی برادری کے بعض حضرات کی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ وہ جشن عید میلاد النبی ﷺ سے روکنے کے لئے مختلف قسم کے حیلے بہانے اور عیاری و مکاری سے کام لیتے ہوئے عوام اہلسنت کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح مخالفین نے بھی ۹ ربیع الاول کو اصح روایت قرار دے کر یہ اشارہ کیا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید میلاد النبی منایا جاتا ہے کہ اس تاریخ میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی حالانکہ اصح روایت تو ۹ ربیع الاول ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ اگر ہم بقول ان کے اصح روایت کے مطابق ۹ ربیع الاول کو جشن عید میلاد النبی ﷺ منائیں تو یہ ان کے نزدیک درست ہوگا یا نہیں؟ اگر جواب ”ہاں“ میں دیں تو سمجھ لیجئے کہ انہوں نے اپنا فتویٰ بدعت خود اپنے اوپر چسپاں کر لیا اور اگر جواب نہیں میں دیں اور ایسا ہی ہے تو بس ان سے اتنا کہہ دیں کہ پھر اصح روایت والی بات کر کے ہیر پھیر کرنے کی بھلا کیا ضرورت و حاجت تھی صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ جشن عید میلاد النبی منانا تو ہر حال میں بدعت مذمومہ ہے خواہ بارہ کو ہو یا نو کو، اس کے باوجود مخالفین کا تاریخ ولادت میں بلا تحقیق ۹ ربیع الاول کی تکرار اور اس پر اصرار کرنا چہ معنی دارد؟

برادرِ اسلام! اس سے قبل کہ ہم مخالفین کی اس بات پر تبصرہ کریں جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تاریخ وصال ۱۲ ربیع الاول بیان کرتے ہوئے کہی تھی آپ تاریخ وصال کی تحقیق کا خلاصہ اور ایک نکتہ سماعت فرما لیجئے:

خلاصہ تحقیق

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے رسالہ ”نطق الہلال بإرخ ولاد الحبيب والوصال“ کی فصل دوم میں تاریخ وصال پر تحقیقی کلام رقم فرمایا ہے تحقیق انیق پر آگاہی تو رسالہ کا مطالعہ کرنے پر موقوف ہے ہم اسی رسالہ سے مذکورہ بالا مسئلہ کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

قول مشہور و معتمد جمہور دوازہم (بارہویں۔ رضوی) ربیع الاول شریف ہے۔

﴿”الفتاویٰ الرضویۃ“، ج ۲۶، ص ۴۱۵ [مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور]﴾

(پھر فرماتے ہیں:) اس کے سوا دو قول ایک یکم ربیع الاول شریف اور دوسرا دوم ربیع الاول شریف یہ دونوں اقوال محض باطل و

نامعتبر بلکہ سراسر محال و نامتصور ہیں۔ ﴿”الفتاویٰ الرضویۃ“، ج ۲۶، ص ۴۱۷ [مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور]﴾

(شیخ شبلی نعمانی نے یکم ربیع الاول کو یوم وفات قرار دیا ہے۔) ﴿”سیرت النبی“، ج ۲، ص ۱۷۰ [مطبوعہ: دینی کتب خانہ لاہور]﴾

(پھر فرماتے ہیں:) تفصیل مقام و توضیح مرام (مسئلہ تاریخ وفات اقدس ماہ ربیع الاول شریف دوشنبہ (پیر کے دن۔ رضوی) واقع

ہوئی اس قدر ثابت و مستحکم و یقینی ہے جس میں اصلاً جائے نزاع (جھگڑے کی بالکل گنجائش۔ رضوی) نہیں۔

﴿”الفتاویٰ الرضویۃ“، ج ۲۶، ص ۴۱۸ [مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور]﴾

(پھر فرماتے ہیں:) غرض دلائل ساطعہ (چمکدار دلیلوں۔ رضوی) سے ثابت ہے کہ اس ماہ مبارک کی پہلی یا دوسری

(تاریخ۔ رضوی) دوشنبہ ہرگز نہ تھی اور روز وفات اقدس یقیناً دوشنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعاً باطل ہیں اور حق و صواب وہی قول جمہور بمعنی

مذکور یعنی واقع میں تیرہویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بارہویں (حق اور درست جمہور اہل اسلام کا قول پہلے ذکر کردہ معنی میں یعنی حقیقت

میں ۱۳ ربیع الاول اور لکھے ہوئے کی وجہ سے بیان کرنے میں ۱۲ ربیع الاول۔ رضوی)

﴿”الفتاویٰ الرضویۃ“، ج ۲۶، ص ۴۲۶ [مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور]﴾

پس معلوم ہوا کہ حقیقتاً تاریخ وفات اقدس ربیع الاول کی تیرہویں ہے مکہ معظمہ کی روایت کے اعتبار سے اور مدینہ طیبہ میں روایت

نہ ہوئی لہذا ان کے حساب سے ربیع الاول کی بارہویں ٹھہری جسے راویوں نے اپنے حساب کی بناء پر روایت کیا اور یہی تاریخ جمہور اہل

اسلام کے نزدیک مشہور مقبول ہوئی بہر حال یہ تاریخ وفات اقدس پر تحقیق کا خلاصہ تھا، اگر راویوں کی روایت کے سبب سے نہیں بلکہ

حقیقتاً تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول شریف ہے تو بھی یہ بات نہ مخالفین کو مفید اور نہ ہمیں مضری یعنی اس سے نہ تو مخالفین کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا

اور نہ ہی ہمیں کوئی نقصان ہوگا کیونکہ محفل میلاد شریف کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار اس بات پر تو ہرگز نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا وصال شریف ۱۲ ربیع الاول کو ہوا تھا یا نہیں اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیے۔

عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ محفل میلاد کو ناجائز قرار دینے کے لئے کبھی بدعت مذمومہ کی رٹ لگالی جاتی ہے تو کبھی دن مقرر کرنے کی

بحث کی جاتی ہے، کبھی بیان کیا جاتا ہے کہ یوم میلاد کی تاریخ بارہ ربیع الاول نہیں ہے تو کبھی کہا جاتا ہے کہ یوم وفات بارہ ربیع الاول ہے

غرضیکہ بھانت بھانت کی بولیاں لوگوں کے کانوں میں سمائی جاتی ہیں پھر قیاس آرائیاں ان کے علاوہ ہیں ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ مخالفین

کتاب و سنت سے محفل میلاد کا ناجائز ہونا بتا دیں تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں ظاہر ہے کہ ہم محض ان کی چینیں و چنناں، ایں و آں، اگر

مگر، کیونکہ اور چونکہ ماننے کے لئے تو ہرگز تیار نہیں بلکہ ان لایعنی باتوں سے بیزار ضرور ہیں۔

باقی رہی وہ بات جو مخالفین نے نبی مکرم ﷺ کی تاریخ وصال ۱۲ ربیع الاول بیان کرتے ہوئے کہی تھی کہ ”کسی کے گھر میں شادی

ہو رہی ہے اور اسی دن چاشت کے وقت اس گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا خوشیاں باقی رہیں گی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ گھر تو ماتم کدہ بن

جائے گا۔

ہم مخالفین کے اس قیاس ماتی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ اس پر نظراتِ نفات ڈالی جائے مگر چونکہ قیاس مجتہد کے منکرین نے قیاس فاسد سے کام لے کر اپنا اُلوسیدھا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ عوام اہلسنت کے قلوب میں نقطہ شبہ جڑ پکڑ جائے لہذا اسی بات کے پیش نظر ہم بالا اختصار اس بات پر تبصرہ کریں گے۔

در اصل مخالفین کی یہ عادتِ قدیمہ ہے جس سے مجبور ہو کر انہوں نے یہ بات کہی کہ ۱۲ ربیع الاول کو جشن میلاد منانے والے جب ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ ولادت سمجھتے ہیں تو رسول اللہ کی وفات بھی ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے اب جشن میلاد منانے والے ذرا سوچیں کہ ایک ہی مہینے اور ایک ہی تاریخ میں جب ولادت اور وفات ہوئی تو خوشی منانے کا کیا موقع اور کونسا محل ہے؟ افسوس و غم ہونا چاہیے پھر مخالفین اپنی بات کی پختگی اور تائید کے لئے قیاس ماتی سے بھی گریز نہیں کرتے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور تنقیدی و تنقیصی دماغ سے باتیں گھڑ گھڑ کہ ذہنی پیداوار کو بطور چار اپنی زبانوں سے اگلے ہیں تاکہ کوئی نادان اسے نکل لے تو پھنس جائے۔

لامحالہ اس کے سوا ان کو کوئی چارہ بھی نہیں کیونکہ زیر بحث مسئلہ میں ان کی علمی حالت یہ ہے کہ نہ تو خوشی منانے کی ممانعت کتاب و سنت سے بتا سکتے ہیں اور نہ ہی افسوس و غم کرنے کا حکم قرآن و حدیث سے دکھا سکتے ہیں اب قیاس ماتی نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے کیونکہ قیاس مجتہد تو ان کے نزدیک کم از کم حرام ہے اگر ایسا نہیں ہے؟ تو ان سے پوچھئے کہ پھر اس عمل کرنے والوں کی مذمت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہیں اور کھانے کے اور۔“

برادران اسلام! ہم پہلے خوشی منانے کا کیا موقع و محل ہے پر کچھ بیان کرتے ہیں تاکہ خوشی منانے کا موقع و محل جاننے والوں کے ہوش و عقل ٹھکانے آجائیں، آمین۔

نبی مکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور آپ سرِ پا رحمت و نعمت ہیں جیسا کہ اظہر من الشمس ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔

”بخاری شریف“ میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ﴿الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ قَالَ: هُمْ وَاللَّهُ! كُفَّارُ قُرَيْشٍ، قَالَ عَمْرُو: هُمْ قُرَيْشٌ، وَمُحَمَّدٌ ﷺ نِعْمَةُ اللَّهِ.

﴿”صحيح البخاري“، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، رقم الحديث: (۳۹۷۷)، ص ۶۷۱﴾

ترجمہ: ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ [ابراہیم: ۲۸] کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: (نعمت الہی کو بدلنے والے) اللہ کی قسم! وہ کفارِ قریش ہیں اور حضرت عمرو بن دینار نے فرمایا: وہ کفارِ قریش ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں

قرآن حکیم اور صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر و باہر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی رحمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہیں اور قرآن حکیم میں متعدد آیت کریمہ ہیں جن میں انعامات الہی پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن حکیم ہی میں اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو تمہارے لئے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ ﴿النحل: ۱۱۴﴾

ترجمہ: اور تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

نیز ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴿إبراهيم: ۷﴾

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے تو تمہیں ضرور اور (نعمتیں) دوں گا۔

بلاشبہ ان گنت چیزیں نعمت الہی ہیں جن سے کائنات لبریز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ﴿إبراهيم: ۳۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

پانی، ہوا اور روشنی، کان، آنکھ اور دل صحت، شباب اور خوشحالی یہ سب رب ذوالجلال والا کرام کی نعمتیں ہیں اور ان پر شکر الہی بجالانا ہی سعادت اور بندگی کا تقاضا ہے جب ان فنا ہونے والی نعمتوں پر شکر کا حکم ہے تو غور کیجئے اس رحمت مجسم اور محسن کائنات ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت پر شکر ادا کرنا یہ بدعت مذمومہ کیسے ہے؟

جس ذات والا صفات نے بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اپنے خالق حقیقی کے ساتھ جوڑ دیا جس نے انسانیت کے سوئے ہوئے نصیب کو بیدار کر دیا، جو کسی خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کے لئے رحمت بن کر نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لئے ابر رحمت بن کر برسا، کیا اس نعمت عظمیٰ اور ابدی احسان پر شکر ادا کرنا بدعت سیئہ ہے؟

وہ ذات مقدسہ جس کی آمد و بعثت کو منع حقیقی نے اپنے مقدس کلام میں خصوصی طور پر ذکر فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ ﴿آل عمران: ۱۲۴﴾

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ﴿يونس: ۵۸﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

برادران اسلام! جب مطلقاً فضل اور رحمت کے حصول پر فرحت و مسرت کا حکم ہے تو وہ ذات مقدسہ جو رحمتہ للعالمین اور نعمت رب

العالمین ہے اس کی تشریف آوری کی یاد میں خوشی منانا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی رحمت تو ہمیں سال کے ہر دن بلکہ ہر لمحہ حاصل ہے پھر یوم ولادت پر اظہارِ مسرت اور خوشی منانے میں کیا خصوصیت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن کی خصوصیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ الہی میں عرض کرتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ﴾ [مریم: ۳۳]

ترجمہ: اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن۔

”مسلم شریف“ میں ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ [الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ] أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْإِثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: ((فِيهِ وُلِدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ)).

”صحیح مسلم“، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، رقم الحديث:

[۲۷۵۰] ۱۹۸- (۱۱۶۲)، ص ۴۷۸۔

البوقادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے روز روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی کی گئی۔“

غور فرمائیے! اپنے لئے سلامتی کی دعا ہر روز مانگی جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہر دن روزہ رکھ کر ادا کیا جاسکتا ہے لیکن قرآن و حدیث سے واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یوم میلاد کو دعائے سلامتی اور نبی کریم ﷺ نے روزِ پیر کو روزہ رکھنے کے ساتھ خاص کیا کیونکہ اسی دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی، کیا قرآن سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اگرچہ نبی کریم ﷺ کی ولادت پر سال کے ہر دن اور ہر رات خوشی منانا جائز ہے لیکن یوم میلاد کو ایک خاص ترجیح حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ پر اپنے جذبات کا اظہارِ تشکر کرتی چلی آرہی ہے ہر سال، ہر اسلامی ملک میں چھوٹے بڑے پیمانے پر عید میلاد النبی ﷺ منانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کیا جاتا رہے گا، مخالفین اس فرحت و مسرت کے موقع پر منہ بسور لیتے ہیں، اپنی ہانڈیوں کو اوندھا کر دیتے ہیں بلکہ جو چراغ جل رہا ہوتا ہے اسے بجھا دیتے ہیں بھلا غور کریں یہ اظہارِ تشکر ہے یا کفرانِ نعمت؟

مخالفین کی طرف سے ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ جس طرح میلاد النبی کے سلسلے میں خوشی منائی جاتی ہے کیا اس طرز پر نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام نے خوشی منائی ہے؟ اس کا تفصیلی جواب امام مالک علیہ الرحمہ کے ذکر میں دیا جا چکا ہے البتہ چند باتیں اس سلسلے میں مزید بیان کی جاتی ہیں:

اولاً: اگر بعینہً اس موجودہ طرز پر خوشی منانا نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام ﷺ سے ثابت ہوتا تو اسے بالتصریح واجب یا سنت سے تعبیر کیا جاتا اور حسن ظن ہے کہ مخالفین بھی اس پر لے دے نہ کرتے۔

ثانیاً: جشن عید میلاد النبی کو مستحسن و مستحب کہنا ہی اس طرف واضح اشارہ ہے کہ بعینہً موجودہ طرز پر خوشی منانا، قرونِ ثلاثہ میں نہیں

ملتا۔

خیر اپنے پرانے کی بات رہنے دیجئے، جمہور اسلام کو دیکھئے انہوں نے جشن عید میلاد النبی کو مستحسن کہا ہے یا نہیں؟ اگر کہا ہے اور یقیناً

کہا ہے کیونکہ ان اہل علم حضرات نے اس حقیقت سے انحراف کرنے کے بجائے اسے بیان کیا ہے کہ خوشی و مسرت کا ہر وہ طریقہ جو خلاف شرع نہ ہو، اصول اسلام سے متصادم نہ ہو تو بلاشبہ درست و جائز ہے اگرچہ بعینہ اس کا ثبوت نہ ملے۔

ثالثاً: خوشی منانے اور جنگ کرنے کے طریقے ہر دور میں مختلف رہے لہذا جہاد سے متعلق اس تفصیل کی حاجت نہیں ہے کہ کن کن ہتھیاروں کے ذریعے جہاد کیا جائے کیونکہ زمانہ کی رفتار کے مطابق ان میں تبدیلی ناگزیر ہے یہی وجہ ہے کہ آلات حرب میں تبدیلیاں آتی رہیں پس موجودہ دور خود اس کا اعلان کرے گا کہ کن کن ہتھیاروں کے ذریعے دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا ہے لہذا موجودہ دور میں مروجہ آلات حرب سے بہترین و اعلیٰ ترین ہتھیاروں کا استعمال بدعت مذمومہ نہیں بلکہ لازمی و ضروری ہوگا، اسی طرح اظہار خوشی و مسرت سے متعلق اس تفصیل کی ضرورت نہیں کہ کن کن طریقوں سے خوشی و مسرت کا اظہار کیا جائے کیونکہ ہر دور کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی رہیں ہیں پس موجودہ دور خود اس کی گواہی دے گا کہ کن کن طریقوں سے اظہار خوشی و مسرت کرنا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ان میں سے وہ طریقہ جو کسی شرعی خرابی یا بے اعتدالی کے زمرے میں آئے تو اس سے بالکل اجتناب کیا جائے اس کے سوا ہر طریقہ اظہار مسرت، مستحسن و مستحب ہوگا کیونکہ اس کی بنیاد محبت و تعظیم مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔

رابعاً: جب شریعت مطہرہ کے دائرے میں رہ کر جشن عید میلاد النبی منانے کی بات واضح ہو چکی تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اظہار مسرت کا کیا طریقہ ہے؟ کیونکہ جب دل میں سچی خوشی کے جذبات اُٹھ کر آتے ہیں تو اپنے ظہور کیلئے وہ خود راستہ بنا لیا کرتے ہیں لہذا معمولات اہلسنت میں پورے سال بالعموم اور ماہ و تاریخ میلاد میں بالخصوص ذکر و فکر کی محفل کا انعقاد، نبی مکرم نور مجسم ﷺ کی ولادت و سیرت کا ذکر خیر، آپ کے معجزات و مناقب، فضائل و محاسن، شمائل و خصائل کے بیان میں محافل کا انعقاد، صدقات و خیرات کرنا قرآن خوانی اور نعت خوانی، چراغاں کرنا اور جلوس نکالنا اور جھنڈے وغیرہ نصب کرنا شامل ہیں ان میں سے کوئی چیز اگر مخالفین کے نزدیک بدعت مذمومہ اور حرام یا مکروہ ہے تو اس پر صحیح و صریح حوالہ کتاب و سنت درکار ہے کیونکہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار دینے سے اس چیز کی حرمت یا کراہت پر نہی مخصوص لانی ضروری ہے۔

خامساً: اگر مخالفین یہ کہیں کہ عہد رسالت اور صحابہ کرام کے دور میں جدید ہتھیاروں کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت موجودہ دور کے جدید ہتھیار ایجاد نہیں ہوئے تھے اور اب چونکہ ایجاد و رائج ہو چکے ہیں لہذا ان کے ذریعے جنگ کرنا بدعت مذمومہ نہیں ہے کیونکہ دشمن کے مقابلے میں بھرپور تیاری کرنا، اللہ پاک کے عام حکم کے تحت آتا ہے پھر یہ بدعت مذمومہ کیوں ہو؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ﴿الأنفال: ۶۰﴾

ترجمہ: اور ان (یعنی کفار) کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے۔

مذکورہ بالا بات پر اگر یہ کہا جائے کہ عید میلاد النبی پر خوشی و مسرت کے اظہار کے جتنے بھی طریقے ہیں ان میں سے جس کے متعلق بھی مخالفین یہ کہیں کہ عہد رسالت اور صحابہ کرام کے دور میں جشن میلاد کے سلسلے میں اس کا وجود نہیں ملتا ہے تو وہ خود ہی سمجھ لیں کہ جشن میلاد منانے کے

سلسلے میں اس وقت وہ طریقہ ایجاد و رائج نہیں ہوا تھا اب چونکہ ایجاد و رائج ہو چکا ہے لہذا اس طریقہ پر عمل کرنا بدعت مذمومہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میلاد پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطلق کے تحت آتا ہے پھر بدعت مذمومہ کیوں ہو؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ﴿٥٨﴾ یونس :

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

برادران اسلام! مخالفین کی عجیب حالت ہے کبھی وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی اور اس سے مقصود محض ان مسلمانوں پر اعتراض کرنا ہوتا ہے جو جشن میلاد ۱۲ ربیع الاول کو مناتے ہیں اور کبھی ربیع الاول کی نو تاریخ کو فراموش کر کے اس پر زور دیتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی وفات بھی ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور مقصد وہی اعتراض کرنا ہوتا ہے یعنی جب رسول اللہ ﷺ کی وفات اقدس ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے تو آپ ﷺ کا کوئی اُمتی اس تاریخ کو جشن منانا کس طرح پسند کر سکتا ہے؟ بلکہ اُمتی ہونے کے ناطے تو یہ ضروری ہے کہ اس میں رنج و غم اور افسوس کا اظہار کیا جائے یہی وجہ ہے کہ مخالفین نے ایک تصوراتی خاکہ اپنی برادری کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی گھر میں شادی کی خوشی ہو رہی ہو اور اس دن چاشت کے وقت اس گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا خوشیاں باقی رہیں گی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ گھر تو ماتم کدہ بن جائے گا اس کے بعد مخالفین نے ذکر کردہ تصوراتی خاکہ پر قیاس ماتی کرتے ہوئے یہ مسئلہ نوحیہ بیان کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کا دن تو رنج و غم اور افسوس کرنے کا دن ہے نہ کہ خوشی منانے کا۔

برادران اسلام! یہ بات اس شخص کی مانند ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ (آنسو ایک نہیں کلیجا ٹوک ٹوک) مخالفین کی اس بات پر اتنا ہی کافی تھا کہ اگر ان کو نبی مکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنے والوں سے ایسا دکھ اور اتنی جلجلاہٹ ہے کہ یوم ولادت پر ماتی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بے ادبی معاف! کیا یہ ذہنیت ابولہب سے بدتر نہیں؟

بہر حال ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ اس سلسلے میں تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ مخالفین اپنے ہمنواؤں کو یہ کہہ کر نہ بہلا دیں کہ ان کی بات و قیاس کو لفاظی ہی میں اڑا دیا گیا ہے، جواب نہیں دیا گیا، لیجئے! جواب حاضر ہے مگر سوال جرح کیساتھ تاکہ ان کا کالی ہانڈی سر پر دھرنا، ظاہر ہو۔

اولاً: تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہو یا ۱۲ ربیع الاول، اس سلسلے میں ہم تحقیق کے ساتھ صرف یہی نعرہ بلند کرتے ہیں کہ ان کی بات تو صرف قرآن و حدیث ہی سے ہوتی ہے لہذا ادھر ادھر جانے کے بجائے جو بھی ان کا دعویٰ ہو خواہ نور ربیع الاول کا یا بارہ ربیع الاول کا اس پر قرآن یا حدیث صحیح مرفوع سے دلیل دیں، وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔

ثانیاً: ہم قیاس کے ماننے والے ضرور ہیں مگر قیاس صحیح کے نہ کہ قیاس فاسد کے، افسوس! مخالفین تصوراتی خاکہ بیان کر کے ہمیں غیر صحیح قیاس ماننے کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ جب ہم قیاس صحیح پر عمل کرتے ہیں تو وہ چیں بہ جیں ہو کر الزام تراشی کرتے ہیں کہ ہم امام کے قول کے مقابلہ میں کتاب و سنت پس پشت ڈال دیتے ہیں، نعوذ باللہ من ذلک!۔

ثالثاً: مخالفین کے پاس ۱۲ ربیع الاول میں رنج و غم اور افسوس کرنے پر کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو اس کا صحیح و صریح حوالہ کتاب و سنت سے بیان کریں ورنہ بتائیں کہ تصوراتی خاکہ کے تحت یہ بات کس دلیل سے کہی ہے؟

رابعاً: جب نبی کریم ﷺ کا وصال شریف ۱۲ ربیع الاول میں ہوا اور بقول مخالفین چاہیے کہ اس دن رنج و غم اور افسوس کیا جائے نہ کہ خوشی اور اظہار مسرت، اگر کوئی اس تبلیغ المیہ سے متاثر ہو کر منہ بسور لے اور اس پر فاعل سقیم بن جائے تو آیا یہ ان کے نزدیک جائز ہو گا یا بدعت مذمومہ، اگر جائز و درست ہو گا تو اس پر کون سی دلیل صحیح ہے؟ نیز کیا یہ عمل صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اپنی اپنی حیات میں ہر سال کیا ہے؟ (مخالفین بھی ہم سے اسی قسم کے سوالات کرتے ہیں) اگر یہ عمل بدعت ہو گا تو کیا یہ ایک بدعت سے نکال کر دوسری بدعت میں داخل کرنا نہیں ہے پھر بھی رنج و غم اور افسوس کی بات کرنا کیا یہ بگلا بگھٹ کی بات معلوم نہیں ہوتی ہے۔

خامساً: مخالفین کے بیان کردہ تصوراتی خاکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شادی کی خوشی منانا جائز ہے البتہ نبی مکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی منانا جائز نہیں جبکہ ہمارے نزدیک دونوں خوشیاں منانا جائز و درست ہیں یاد رہے کہ ہمارے نزدیک نکاح کرنا عبادت بلکہ اپنی معنویت کے اعتبار سے نفلی عبادت سے افضل ہے کیونکہ نکاح کی وجہ سے انسان گناہوں سے بچتا ہے اور نکاح کے سبب سے انسان نیک اولاد کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور بیوی اور بچوں کے لئے کسب کرتا ہے اور ان کا پیٹ پالتا ہے اسی اعتبار سے ”ابن ماجہ“ میں روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.....إِلَخ)).

﴿”سنن ابن ماجہ“، کتاب النکاح، باب: ما جاء في فضل النکاح، رقم الحديث: (۱۸۴۵)، ص ۳۱۰ [مطبوعة دار إحياء التراث العربي، بيروت].﴾

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں۔“

ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)).

﴿”صحیح ابن خزیمہ“، جماع أبواب المسح على الخفين، باب: التغليظ في ترك المسح على الخفين رغبة عن السنة، رقم الحديث: (۱۹۷)،

ج ۱، ص ۹۹ [طبعة المكتب الإسلامي، بيروت].﴾

ترجمہ: جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں کیا۔

لہذا جب اس عبادت کا موقع میسر آئے تو بندہ مومن اس پر شکر الہی بجالائے اور خوشی منائے لیکن خوشی منانے کا طریقہ خلاف شرع مطہر اور اس سے متضاد نہ ہو بلکہ شریعت مطہرہ کے دائرہ میں ہو اگرچہ اس طریق پر خوشی پہلے منائی گئی ہو یا نہیں۔ مخالفین اگر اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں تو ہم اس سلسلے میں دو نام بتا دیتے ہیں:

(۱) ”تکملہ فتح الملہم“، یہ ان کے برادر معنوی کی تحریر ہے۔

(۲) ”لغات الحديث“، یہ ان کے علائمہ کی تصنیف ہے۔

نیز مخالفین یہ بتائیں کہ ان کے نزدیک شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کے قول کے مطابق شادی کی خوشی منانا جائز ہے یا اہلحدیث کے پیشوا شیخ ابن حزم کے مطابق شادی کی خوشی منانا جائز ہے۔ (جیسا کہ ان ہی کے علامہ وحید الزمان نے ”لغات الحدیث“ میں لکھا ہے)

﴿”لغات الحدیث“، کتاب السین ص ۱۵۰ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]﴾

بہر حال جو بھی ان کی رائے ہو اسے بیان کریں تاکہ ان کی ساری توانائیاں محض ائمہ اربعہ کے اختلاف کو بیان کرنے ہی میں خرچ نہ ہو جائیں اور لوگ بھی اس بات کو جاننے سے محروم نہ رہ جائیں کہ ان حضرات میں کتنے فرقے بنے ہوئے ہیں اور ان کے مابین کتنے اختلافات ہیں؟ ذکر کردہ بات کو باآسانی بیان کرنے کے لئے ہم چند رسائل کے نام مخالفین کے گوش گزار کرتے ہیں تاکہ وہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلاف کے درپے ہونے کے بجائے کچھ توانائیاں اس سلسلے میں بھی خرچ کریں۔

مثلاً اربعین سامنے رکھ کر ”ثنائہ“ اور ”غزنویہ“ خیالات پر روشنی ڈالیں، ساتھ ہی ”الفضیلة الحجازیة“ سے خانپوری مقالات بھی اپنی برادری کے گوش گزار کریں اور اگر ”فیصلہ مگہ“ کو بھی پیش نظر رکھ کر اظہار خیال فرمائیں تو ان کے سامعین کو مفید معلومات حاصل ہوں گی البتہ یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ فتنہ ثنائیہ کو زیر بحث لائیں یا نہ لائیں کیونکہ بار پہلے ہی زیادہ ہو چکا ہے، ہاں! اس بار بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اپنے خطاب میں ”مظالم روپڑی“ کو شامل کر لیں تو شاید کچھ تو ازن قائم ہو جائے، نیز بہتر ہوگا کہ ”مقاصد الأئمة“ کی روشنی میں اپنے ہمنواؤں کو کچھ یہ بھی بتادیں کہ مولوی عبد الوہاب ملتانی نے کیا گل کھلائے ہیں البتہ اگر اس کے ساتھ ”ظل محمدی“ کو زیر بحث لے آئیں تو ہمنواؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

فی الحال ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں اگر ہم نے جان لیا کہ مخالفین محض تردید و مذمت کرنے کے لئے جہاں دوسروں کی کتاب و رسائل کی ورق گردانی کرتے ہیں وہاں خود ساختہ اہلحدیث حضرات کے مابین اختلافی امور کو بیان کرنے اور ان میں سے قابل تردید و مذمت امور کو آشکارا کرنے کے لئے اپنوں کی کتب و رسائل کا مطالعہ بھی کرتے ہیں تو ہم شیخ وحید الزمان اور قاضی شوکانی وغیرہ کی تصانیف سے مزید نام بتادیں گے تاکہ مخالفین وہ عبارات بھی اپنے سامعین کے کانوں تک پہنچا سکیں جن میں شیعہ حضرات کی روش پر تبر بازی اور مرثیہ خوانی کی گئی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ مخالفین نے شیخ وحید الزمان اور قاضی شوکانی کی عبارات سے متاثر ہو کر میلاد پر رنج و غم اور افسوس کرنے کی دعوت دی ہو مگر جب ہم مخالفین کے ماہ محرم میں بیان کردہ مسئلہ یزید پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باب یزیدیت میں مذکورہ بالا دونوں حضرات کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا ہے اور آخر میں ہم ان سے شیخ اسماعیل دہلوی کی وہ عبارات منظر عام پر لانے کی گزارش کریں گے جن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ!، پوری امت مسلمہ شرک کی وبا میں مبتلا ہے اور اتنی سنگین بات ہے کہ خود مخالفین کے علامہ شیخ وحید الزمان بھی اسے ہضم نہ کر سکے اور بالا آخر ان کو یہ بات اگلی پڑی کہ تعجب ہے ان اہلحدیث پر جو شرک و بدعت میں محمد بن عبد الوہاب اور مولانا اسماعیل کے مقلد بن جاتے ہیں اور دوسرے دلائل کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ﴾ [النجم: ۲۳] یعنی ان کی حالت یہ ہے کہ محض گمان کی اور خواہشات نفس کی پیروی کر رہے ہیں۔ (از رضوی) عجیب بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور علماء سلف کی نسبت تو (یہ اہلحدیث) کہتے ہیں وہ معصوم عن الخطاء نہ تھے انہوں نے بہت سے مسائل میں خطا کی اور جب یہ کہو کہ ابن تیمیہ یا ابن قیم یا شاہ ولی اللہ یا مولانا اسماعیل یا قاضی شوکانی یا نواب صدیق حسن خان نے اس مسئلہ

میں خطا کی تو فوراً کان کھڑے کر کے چراغ پا ہو جاتے ہیں گویا ان متاخرین کو معصوم عن الخطاء سمجھتے ہیں یہ تو وہی مثال ہے۔ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ۔ ”یعنی بارش سے بھاگ کر پرنا لے کے نیچے کھڑا ہو جانا“ (از رضوی)۔

باقی رہی یہ بات کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نے امت مسلمہ کو مشرک بنانے کے لئے کس قدر فراخ دلی سے کام لیا تو اس کے لئے صرف شیخ نجد کے برادر محترم علامہ سلیمان بن عبد الوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ کی کتاب ”الصواعق الإلهية“ اور علامہ سید احمد زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ کی کتاب ”خلاصة الكلام في بيان أمراء البلد الحرام“ اور ”الدرر السنية“ کا مطالعہ کافی رہے گا اس کے باوجود اگر مخالفین کی سیرابی نہ ہو تو وہ علامہ ابو حامد بن مرزوق کی کتاب ”التوسل بالنبي ﷺ“ زیر مطالعہ لائیں تاکہ ان کو اس بات سے آگاہی ہو کہ وہ علماء اسلام جنہوں نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے عقائد فاسدہ کے رد میں تصنیفات جلیلہ سپرد قلم کی ہیں ان کی تعداد برصغیر پاک و ہند کے علماء کے علاوہ چالیس سے متجاوز ہے فی الحال ہم علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ کی ایک عبارت اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۶ھ خوارج یعنی فرقہ ضالہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كما وقع في زماننا في أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد، وتغلبوا على الحرمين و كانوا ينتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم.

﴿حاشیہ ابن عابدین﴾، کتاب الجہاد، باب البغاة، مطلب فی اتباع ”عبد الوہاب“ الخوارج فی زماننا، ج ۱۳، ص ۱۳۵ [مطبوعة دار الثقافة، دمشق]. ترجمہ: جیسا کہ ہمارے زمانے میں عقیدہ خوارج (ابن) عبد الوہاب کے پیروکاروں میں واقع ہوا جنہوں نے نجد سے نکل کر حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) پر زبردستی قبضہ کر لیا اور وہ (ظاہر میں) حنبلی مذہب اپناتے تھے لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ ہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں اسی وجہ سے انہوں نے عوام اہلسنت اور ان کے علماء کے قتل کو مباح (جائز) قرار دیا۔

برادران اسلام! شیخ نجد محمد بن عبد الوہاب کے متعلق علمائے اسلام کا نظریہ بطور اختصار آپ کے گوش گزار کیا گیا لیکن کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے شیخ نجدی کی سوانح حیات پر کتب لکھیں اور خوش فہمی کے ہوائی پل تعمیر کیے، یاد رکھئے سب کے سب یاد یو بندی مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں یا غیر مقلدین اور نجدی سلسلہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

ہمیں ملت وہابیہ سے بھلا کیا شکوہ حیرت ان دیوبندی حضرات پر ہے جو اپنے شیخ الاسلام حسین احمد ٹانڈوی اور شیخ الہند خلیل احمد انبٹھوی اور اپنے محدث کبیر انور شاہ کشمیری کو بالائے طاق رکھ کر شیخ نجدی کے گن گاتے ہیں چنانچہ ہم نے مناسب جانا کہ یہاں دیوبندی حضرات کے محدث کبیر انور شاہ کشمیری کی شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی سے متعلق رائے بیان کر دی جائے۔

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۶ھ لکھتے ہیں:

أما محمد بن عبد الوهاب النجدي فإنه كان رجلاً بليداً قليل العلم فكان يتسارع إلى الحكم بالكفر.

﴿فيض الباري﴾، ج ۱، ص ۱۷۱ [مطبوعة المكتبة الرشيدية، کوئٹہ].

یعنی محمد بن عبد الوہاب نجدی نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت جلدی کرتا تھا شیخ نجدی امت مسلمہ کو بیک جنبش قلم کا فرقرار دینے والی بات ان کے ایک حامی شیخ علی طنطاوی جو ہری متوفی ۱۳۳۵ھ بھی ہضم نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ترجمہ: جب میں سوچتا ہوں کہ شیخ نجدی اپنے موافقین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے حالانکہ تمام مسلمانوں نے نہ قبروں کی عبادت کی ہے اور نہ کوئی کفر یہ کام کیے ہیں اگر کچھ کیا ہے تو عام لوگوں نے خصوصاً جبکہ مسلمانوں میں علماء اور مصلحین بھی موجود ہیں یہ تبصرہ کرنے کے بعد موصوف نے لکھا: أقول: ليس للشيخ عذر. میں کہتا ہوں یعنی اس صورت میں شیخ نجدی کا مسلمانوں کو کافر قرار دینے کی صحت کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ ﴿”محمد بن عبد الوہاب“، ص ۳۶﴾

حیرت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے شیخ نجدی کی سوانح میں اس کے فتویٰ شرک کی تائید میں انتہا درجہ کا غلو کیا جو امت مسلمہ کو مشرک بنانے کے لئے برساتی مینڈکوں کی طرح برساتا تھا۔

چنانچہ مسعود عالم ندوی نے ”محمد بن عبد الوہاب“ نامی کتاب کے ص ۲۱ پر اور محمد صدیق قریشی نے ”فیصل“ نامی کتاب کے ص ۱۲ پر تائیدی غلو کرتے ہوئے لکھا کہ اہل نجد اخلاقی انحطاط میں جس حد سے گزر چکے تھے اور ان کی سوسائٹی میں بھلائی، برائی کا کوئی معیار قائم نہیں رہا تھا مشرکانہ عقیدے صدیوں کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے کہ ایک بڑا طبقہ ان ہی خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا۔

نیز لکھا کہ فاسد عقائد اور بدعات دلوں میں جڑ پکڑنے لگیں، دور جاہلیت پلٹ آیا، حجر اور شجر پرستی کا دور دورہ ہوا۔ ان خوشامد اور چالپوسی کرنے والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی حدیث مبارک گوش گزار کر دی جائے باقی رہی ہدایت تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی دست قدرت میں ہے، چنانچہ ”صحیح مسلم“ میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي حَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ)).

﴿”صحیح مسلم“، کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنة الناس، رقم الحديث: [۷۱۰۳]-۶۵-(۲۸۱۲)، ص ۱۲۲۴ [دار السلام، الرياض].﴾

”ترمذی“ میں ہے: عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ)). ﴿”جامع الترمذی“، کتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في التباعد، رقم الحديث: (۱۹۳۷)، ص ۴۵۱ [مطبعة دار السلام، الرياض].﴾

ترجمہ حدیث مسلم و ترمذی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں لیکن وہ ان کو آپس میں لڑاتا رہے گا۔“ نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کے چہیتے شاگرد محمد عبدالرحمن مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

أَيُّ: مَنْ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُؤْمِنُونَ، وَزَادَ فِي رِوَايَةِ "مُسْلِمٍ": ((فِي حَزِيرَةِ الْعَرَبِ)) قَالَ الْقَارِي فِي الْمِرْقَاةِ: إِيْتَصَرَ الْقَاضِي كَلَامَ الشَّرَاحِ. وَقَالَ: عِبَادَةُ الشَّيْطَانِ عِبَادَةُ الصَّنَمِ؛ لِأَنَّهُ الْأَمْرُ بِهِ وَالِدَّاعِي إِلَيْهِ.

ترجمہ: نماز پڑھنے والوں سے ایمان والے مراد ہیں اور ”مسلم شریف“ میں ((فِي حَزِيرَةِ الْعَرَبِ)) کے الفاظ زائد آئے ہیں، علامہ قاری نے مرقات میں فرمایا ہے: قاضی نے شارحین کے کلام کو مختصر کرتے ہوئے کہا ہے: شیطان کی عبادت سے مراد بتوں کی عبادت ہے، کیونکہ بت پرستی کی طرف بلانے اور اسکی دعوت دینے والا شیطان ہی ہے۔ پھر کہتے ہیں:

وَمَعْنَى الْحَدِيثِ أَيْسَ مِنْ أَنْ يَعُودَ أَحَدٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى عِبَادَةِ الصَّنَمِ وَيَرْتَدَّ إِلَى شُرْكَهِ فِي حَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَلَا يَرِدُ عَلَى ذَلِكَ إِرْتِدَادُ أَصْحَابِ مُسَيْلَمَةَ وَمَانِعِي الزَّكَاةِ وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ ارْتَدُّوا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ لِأَنَّهُمْ؛ لَمْ يَعْبُدُوا الصَّنَمَ، انْتَهَى.

﴿تحفة الأحمدي شرح جامع الترمذي﴾، ص ۶۳۲ [طبعة بيت الأفكار الدولية، الرياض]. ﴿

ترجمہ: حدیث کا معنی یہ ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں ایمان والوں میں سے کوئی بتوں کی عبادت میں مبتلا ہو اور بت پرستی کی وجہ سے مرتد ہو جائے، اس حدیث پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ مسلمہ کذاب کے ماننے والے اور مانعین زکاۃ مرتد ہو گئے تھے کیونکہ وہ مرتد تو ہو گئے تھے لیکن بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔

امام حاکم، امام ابویعلیٰ اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان روایت کیا ہے: **عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَيْسَ أَنْ تُعْبَدَ الْأَصْنَامُ بِأَرْضِ الْعَرَبِ))۔**

﴿شعب الإيمان﴾، باب في معالجة كل ذنب بالتوبة، فصل في محقرات الذنوب، ۵/ ۲۴۵۹، رقم الحديث: (۷۲۶۳) [مطبوعة دار الفكر، بيروت] وأخرجه أبو يعلى في "مسنده" برقم: (۵۱۱۹)، ۴/ ۱۹۱ [مطبوعة دار الفكر، بيروت] والحاكم في "المستدرک" برقم: (۲۲۲۱)، ۳/ ۸۴۲ [مطبوعة نزار مصطفى الباز، الرياض]. ﴿

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ سرزمین عرب میں بت پرستی قائم کی جائے۔“

برادران اسلام! شیخ نجدی نے جب محض اپنے گمان فاسد سے امت مسلمہ کو مشرک قرار دیا تو علمائے اسلام نے اس کی تردید و مذمت کی بلکہ خود شیخ نجدی کے بعض حامیوں کو بھی یہ بات ہضم نہ ہو سکی چنانچہ انہوں نے شیخ نجدی کی تعریفات کے ہوائی پل باندھنے کے باوجود اس کو اگل دیا، آج بھی شیخ نجدی کے پیروکار بلادھڑک امت مسلمہ کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں جس کا شکوہ ان کے ایک عالم وحید الزمان نے ”لغات الحدیث“ اور ”ہدیۃ المھدی“ وغیرہ کتابوں میں واضح طور پر کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغوں پر وحید الزمان کا شکوہ نہیں بلکہ قاضی شوکانی کا مرثیہ چھایا ہوا ہے جو محمد بن علی قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے شیخ نجدی کی مرگ پر لکھا تھا آپ بھی اس مرثیہ نجدیہ کا کچھ ترجمہ اردو سماعت فرمالیجئے نیز یہ بھی اندازہ لگالیجئے کہ قاضی شوکانی اور شیخ انور شاہ کشمیری کے مابین شیخ نجدی سے متعلق کتنا تضاد ہے قاضی شوکانی کے مرثیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

”علم کا پہاڑ، اونچائیوں کا مرکز نفوت ہو گیا ہے وہ فاضل، نادر روزگار، علماء کی محفل کا مرکز تھا ہدایت کا پیشوا، ہلاکت آفرینوں کو ختم

کرنے والا دشمنوں کا قلع قمع کرنے والا، فیضانِ علم سے پیاسوں کو سیراب کرنے والا تھا جس کا نام محمد عظیمت والا اونچے ادراک کا مالک تھا، اس کا علمی مقام اتنا بلند کہ کوئی فخر کرنے والا وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا، تمام نجد کے مضافات اس کے آفتاب کی کرنوں سے روشن ہو چکا ہے اور دلائل کی قوت نے ہدایت کی منزلوں کو پر شکوہ بنا دیا ہے۔ ﴿شیخ الإسلام محمد بن عبد الوہاب، ص ۱۰۸﴾

غور فرمائیے! جو لوگ حضور اکرم ﷺ کیلئے کسی نفع اور ضرر کی طاقت ماننے کو شرک اور کفر قرار دیتے ہیں وہ کس طرح بے خونی سے شیخ نجدی کو نفع، ضرر علم اور ہدایت کے آسمان پر پہنچا رہے ہیں۔

یہ مرثیہ شوکانی اسی شیخ نجدی کی مرگ پر کہا گیا تھا جس کے زہریلے اثرات برصغیر میں شیخ اسماعیل دہلوی کے روپ میں ظاہر ہوئے اور موصوف نے ”تقویۃ الایمان“ نامی کتاب لکھ کر امت مسلمہ کو مشرک بنانے کا ناپاک مشغلہ اپنے ساختہ دین کا اولین رکن اور اپنے ضابطہ حیات کا اہم ترین باب بنالیا۔ اس پر برصغیر کے ایک صد کے قریب علماء اسلام نے تقویۃ الایمان نامی کتاب اور ملت و ہابیہ کی تردید میں کلی یا جزئی رد بصورت کتب و رسائل لکھا جس کی تفصیل مشعل راہ ص ۴۴۹ تا ص ۲۵۹ [مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور] پر دیکھی جاسکتی ہے۔

وہ مخالفین اس پر غور کریں جو ہمارے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرتے نہیں تھکتے کہ فلاں کو کافر بنا دیا، اس کو کافر کہہ دیا، حالانکہ ہم دلائل کی روشنی میں اس پروپیگنڈہ باز حضرات کی حالت بیان کر چکے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ اور کو نصیحت اپنے تئیں فضیحت۔

یاد رکھئے کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز کافر نہیں کہتے البتہ اگر کوئی مسلمان (معاذ اللہ!) کفر کرے تو وہ کافر ہی کہلائے جب تک وہ کفر سے توبہ نہ کرے اور اگر وہ توبہ کرنے کے بجائے اپنے کفر ہی پر اڑا رہے تو ہمارا اپنی زبان سے اسے کافر نہ کہنا بھی اس کے کفر کو اسلام میں نہیں بدل سکتا، رہا کافر کو کافر جاننا تو یہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہے اگر شریعت و ہابیہ میں کافر کو مسلمان جاننا ضروری ہے تو ہمیں اس سے کیا بحث، جن کی شریعت وہ خود اسے جانیں۔

پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بات ہمارے معتبر و مستند علماء کی بیان کی جائے کسی چلتے پھرتے کی بات کو ہمارا مسلک قرار دینا اہل علم کی شان سے بعید ہے نیز یہ بھی اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ ہمارے جن علماء نے کسی کی تکفیر کی ہے تو ساتھ ہی وجہ کفر بھی بیان کی ہے مخالفین کی طرح بے وقت کی راگنی الا اپنے کا جوش ہمارے علماء میں نہیں بلکہ انہوں نے ہوش کے ساتھ احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ تکفیر پر قلم اٹھایا ہے ایک حوالہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت کا اس باب میں کافی ہے، چنانچہ ”فتاویٰ رضویہ“ میں اعلیٰ حضرت شیخ اسماعیل دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

ان کے امام اسماعیل دہلوی کا یہ قول (یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے) صریح ضلالت و گمراہی و بددینی ہے جس میں بلا مبالغہ ہزار ہا وجہ سے کفر لزومی ہے، جمہور فقہاء کرام کے طور پر ایسی ضلالت کا قائل صریح کافر ہو جاتا ہے اگرچہ ہم باتباع جمہور متکلمین کرام صرف لزوم پر بے التزام کافر کہنا نہیں چاہتے اور ضال و مضل، بددین کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔

﴿”الفتاویٰ الرضویہ“، ج ۱۵، ص ۴۵۱ [مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور]﴾

اب سنئے مخالفین کا معاملہ سو وہ یہ ہے کہ کسی نے یا رسول اللہ کہہ دیا تو وہ مشرک ہو گیا کسی نے گیارہویں کر لی تو وہ مرتکبِ حرام ہو گیا

کسی نے میلاد منالیا تو وہ بدعتی ہو گیا اسی طرح لگا تار فتویٰ بازی جاری رہتی ہے، رہا یہ مطالبہ کہ کیا ان فتاویٰ کی صحت پر صحیح اور صریح دلائل کتاب و سنت سے ہیں تو اس پر قرآن کی آیتیں اور احادیث پڑھ کر پھر اس کا معنی و مطلب اپنی منشا کے مطابق کر کے لوگوں کو جتلا دیا کہ ہم ہی پکے اہل حدیث ہیں باقی تو مشرک و بدعتی ہیں ہم اس پر اتنا ہی کہتے ہوئے اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ گھر جس میں شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہوں اور اسی دن چاشت کے وقت اس گھر میں کسی کا انتقال جائے تو خوشیاں باقی رہیں گی یا وہ گھر ماتم کدہ بن جائے گا۔

برادران اسلام! اس تصوراتی خاکہ اور قیاس ماتمی پر سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مخالفین نے اپنے تصوراتی خاکہ میں خوشی اور غمی کو اصلاً ایک ہی دن میں مانا ہے حالانکہ اس تصوراتی خاکہ سے جس چیز کی وہ تردید کر رہے ہوں وہاں یہ صورت نہیں ہیں کیونکہ کسی کے انتقال پر سوگ اور غم صرف تین دن ہے اور وفات کا غم، وفات سے تین روز کے بعد کرنا شرعاً ممنوع ہے سوائے بیوہ کے کہ اس کے لئے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا واجب ہے لہذا جب ۱۲ ربیع الاول کو یوم وصال ہے تو بھی اس پر اس دن سوگ و غم منانا جائز نہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔

سامعین کرام! اب آپ بخوبی جان چکے ہوں گے کہ مخالفین کا تصوراتی خاکہ سے قیاس ماتمی کرنا قیاس مع الفارق ہی نہیں بلکہ خلاف شرع بھی ہے اب غور کیجئے کہ کیا ان پر وہ مثال صادق نہیں آتی جو انہوں نے ہمارے متعلق بیان کی تھی یعنی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیاس آرائی کرتے ہوئے مخالفین کے اذہان میں اس فکر نے ہل چل مچا دی ہو کہ اس منبر پر قیاس کا رد کرنے کے باوجود وہ خود قیاس کر رہے ہیں لوگ کیا کہیں گے؟ اور یوں بوکھلاہٹ میں ایسا قیاس کیا کہ ”کو اچلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا“ کے نمونہ بن گئے۔

آئیے اب ہم ایک حوالہ اس باب میں آپ کے گوش گزار کرتے ہیں پھر آخر میں خالصہ حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں مخالفین کی قیاس ماتمی کی سسکی بھی بند کر دیں گے اور اس سلسلے کی یہ آخری بحث مخالفین کے لئے بالخصوص قابل غور ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اسی مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے ”الحاوی للفتاویٰ“ لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اولاً اس بات کے جواب میں کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہم پر عظیم تر نعمت ہے اور آپ ﷺ کا وصال ہمارے لئے عظیم تر مصائب سے ایک ہے اور شریعت مطہرہ نے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے اظہار پر ابھارا ہے اور مصائب کے وقت سکون و صبر اور چھپانے کا حکم دیا ہے اور بلاشبہ شریعت مطہرہ نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر خوشی اور اظہار شکر کے اظہار کی ایک صورت ہے لیکن موت کے وقت اس طرح خوشی وغیرہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے کہ یہ خوشی کا موقع نہیں ہے بلکہ نوحہ کرنے اور بے صبری سے منع کیا ہے پس قواعد شرعیہ اس بات پر دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت پر اس مہینے میں خوشی کا اظہار کیا جائے نہ یہ کہ اس مہینے میں آپ ﷺ کے وصال پر غم کا اظہار کیا جائے۔ ﴿الحاوی للفتاویٰ﴾، ج ۱، ص ۲۲۶ [دار الفکر، بیروت]

برادرانِ اسلام! ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول نبی کریم ﷺ کا یومِ میلاد ہے اور جب ۱۲ ربیع الاول کو یومِ وصال بھی ہے تو پھر بھی اس تاریخ کو میلاد کی خوشی کا اظہار جائز ہی رہے گا اور وفاتِ اقدس کا سوگ منانا بھی ممنوع ہوگا کیونکہ نعمت کی خوشی منانا شرعاً ہمیشہ اور بار بار محبوب ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نزولِ ماندہ کے دن کو اپنے اولین و آخرین کے لئے یومِ عید قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا ﴿المائدة: ۱۱۴﴾

ترجمہ: ”عیسیٰ بن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو، ہمارے اگلے اور پچھلوں کی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشی منانا، شکرِ الہی بجالانا طریقہ صالحین ہے۔

اس آیت کریمہ میں ﴿لَا وَّلِنَا﴾ اور ﴿وَأَخِرِنَا﴾ کے کلمات اس بات کی طرف دلالت کر رہے ہیں کہ ماندہ اترنے کے بعد جوامت آئے گی اس کے دورِ اوائل میں بھی لوگ ہوں گے اور دورِ اواخر میں بھی پس جو پہلے دور میں ہوں وہ بھی اسے عید کے طور پر منائیں گے اور جو آخری دور میں ہوں گے وہ بھی یہی روش اور طریقہ اپنائیں نیز ﴿لَا وَّلِنَا﴾ اور ﴿وَأَخِرِنَا﴾ میں کلمہ ”نا“ بمعنی ”ہمارے“ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عید اور خوشی وہی منائے گا جو ہم سے ہوگا کیونکہ اسے ہمارے اوپر اُترنے والی نعمت کی خوشی بھی ہوگی اور جسے اس نعمت کے اترنے کی خوشی نہیں ہوگی وہ ہم سے لائق ہے۔

نعمتِ خوان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں اپنی اُمت کے اوائل و اواخر کے لوگوں کے لئے عید ہونے کی دعا کی کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دن جب بھی آئے تو اس میں عید اور خوشی کا سماں اور شکرِ الہی عیاں ہو اور نعمتِ خوان کی خوشی کی تکرار ہوتی رہے اس لئے خوشی منانا اور شکرِ الہی بجالانا شرعاً بار بار محبوب ہے۔

غور فرمائیے! ایک طرف نعتِ خوان ملنے پر بار بار اس کی خوشی کرنے اور اس دن کے عید ہونے کی التجا ہو اور دوسری طرف نعمتِ ولادت سرور دو جہاں پر بار بار نہیں بلکہ ایک بار ہی خوشی کرنے اور اس دن کو عید کہنے پر بدعت کا فتویٰ ہو، کیا منہ سے کاغذی پھول جھڑتے ہیں اس پر ہم اتنا ہی کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کہ کیا اندھیر نگری ہے؟

قرآن کے بعد اب حدیث کی روشنی میں اس بات کو سمجھئے کہ خوشی منانا اور شکرِ الہی بجالانا بار بار محبوب ہے چنانچہ امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ”الحاوی للفتاویٰ“ میں بخاری و مسلم کی حدیث عاشوراء کے تحت لکھتے ہیں:

ترجمہ: اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ نے نعمت عطا کر کے یا بلا ٹال کر احسان فرمایا ہو تو وہ خاص دن جب ہر سال لوٹ آئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ﴿”الحاوی للفتاویٰ“، ج ۱، ص ۲۲۹ [دار الفکر، بیروت]﴾

لیکن جہاں تک سوگ اور رنج و غم کا تعلق ہے تو وفات سے تین روز بعد کرنا جائز نہیں سوائے بیوہ کے کہ اس کیلئے شوہر کی وفات پر

چار ماہ دس دن سوگ کرنا واجب ہے چنانچہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ امام ابو بکر عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ، امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ، امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ، امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، امام دارمی متوفی ۲۵۵ھ، امام ابوبکر بزار متوفی ۲۹۲ھ، امام ابو محمد بن عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری متوفی ۳۰۷ھ، امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت سیدتنا زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ زَيْنَبِ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةَ.

قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ، فَدَعَتْ أُمَّ حَبِيبَةَ بِطَبِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خُلُوقٍ أَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنْتُ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضِيهَا ثُمَّ قَالَتْ: وَاللَّهِ مَا لِي بِالطَّبِيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُجِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)). قَالَتْ زَيْنَبُ: فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبِ ابْنَةِ جَحْشٍ حِينَ تُوفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ بِطَبِيبٍ، فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ: أَمَّا وَاللَّهِ مَا لِي بِالطَّبِيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُجِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)).

”صحیح البخاری“، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها زوجها أربعة أشهر وعشراً، برقم: (۵۳۳۴، ۵۳۳۵)، ص ۹۵۳ [دار السلام، الرياض]، ”الموطأ“، للإمام مالك، کتاب الطلاق، باب ما جاء في الإحداد، برقم: [۱۲۶۸] (۱۱۲)، ص ۳۳۴ [المكتبة العصرية، بيروت]، ”صحیح مسلم“، کتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة، برقم: [۳۷۲۵] ۵۸- (۱۴۸۶) [۳۷۲۶] ۵۸- (۱۴۸۷)، ص ۶۴۴ [دار السلام، الرياض]، ”سنن الترمذی“، کتاب الطلاق، باب ما جاء في عدة المتوفی عنها زوجها، برقم: (۱۱۹۵، ۱۱۹۶)، ص ۲۹۱ [دار السلام، الرياض]، ”سنن أبی داود“، کتاب الطلاق، باب إحداد المتوفی عنها زوجها، برقم: (۲۲۹۹)، ص ۳۳۴ [دار السلام، الرياض]، ”سنن النسائي“، کتاب الطلاق، باب ترك الزينة للحاددة المسلمة، برقم: (۳۵۳۰)، ۲۰۲/۶ [دار الفكر، بيروت]، ”سنن الدارمي“، کتاب الطلاق، باب في إحداد المرأة على الزوج، برقم: (۲۲۸۴، ۲۲۸۵)، ۲/۲۲۰ [قديمي كتب خانة، كراتشي]، ”المصنف“ لعبد الرزاق، کتاب الطلاق، باب ما تتقي المتوفی عنها، برقم: (۱۲۱۳۰)، ۴۷/۷ [المكتب الإسلامي، بيروت]، ”شرح معاني الآثار“، کتاب الطلاق، باب المتوفی عنها زوجها، برقم: [۴۴۶۲]، ص ۴۱ [قديمي كتب خانة، كراتشي]، ”السنن الكبرى“ للبيهقي، کتاب الطلاق، باب الإحداد، ۴۳۷/۷ [إدارة تاليفات أشرفيه، ملتان]، ”المنتقى“ لابن جارود برقم: (۷۶۵)، کتاب الطلاق، باب العدد، ۱۹۲/۱ [مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت]، ”المصنف“ لابن أبي شيبه، کتاب الطلاق، ما قالوا في الإحداد، ۱۹۹/۴ [مكتبة الرشد، الرياض].

ترجمہ: حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زوجہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب (رضی اللہ عنہ) کا انتقال ہوا تو میں اُم حبیبہ کے پاس گئی، اُم حبیبہ نے زعفران ملی ہوئی ایک پیلی خوشبو یا کوئی اور خوشبو منگوائی اور ان کی باندی نے وہ خوشبو ان کے رخساروں پر لگائی، پھر اُم حبیبہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے اس کے کہ اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے اور دس دن سوگ کرے۔“

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ پھر جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو میں زینب کے پاس گئی، انہوں نے بھی خوشبو منگوائی اور اس کو لگایا اور کہا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول

اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے اس کے کہ اسکا شوہر مر جائے تو وہ چار مہینے اور دس دن سوگ کرے۔“

امام مالک، امام محمد، امام ابو بکر عبد الرزاق، امام حمیدی، امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام طحاوی، امام جارود، امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اُمہات المؤمنین سیدتنا عائشہ اور حفصہ سے اور امام طحاوی اُم سلمہ رضی اللہ عنہن سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ حَدَّثَتْهُ عَنْ حَفْصَةَ، أَوْ عَنْ عَائِشَةَ أَوْ عَنْ كِلْتَيْهِمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوَمِّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - أَوْ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ - أَنْ تُحَدِّثَ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا)).

﴿الموطأ﴾ للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الإحداد، برقم: [١٢٧١] (١١٥)، ص ٣٣٥ [المكتبة العصرية، بيروت]، ”صحیح مسلم“، كتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة... برقم: [٣٧٣٥]- ٦٣ (١٤٩٠)، ص ٦٤٦ [دار السلام، الرياض]، ”ابن ماجه“، كتاب الطلاق، باب هل تحد المرأة على غير زوجها؟، برقم: (٢٠٨٥)، ص ٣٥٠ [دار إحياء التراث العربي، بيروت]، ”مسند أحمد“، مسند السيدة عائشة، برقم: (٢٥٥٧٠)، ٥٥١/٩ [دار الفكر، بيروت]، ”مصنف ابن أبي شيبة“، كتاب الطلاق، باب: ما قالوا في الإحداد، ١٩٩/٤ [مكتبة الرشد الرياض]. ”سنن الدارمي“، كتاب الطلاق، باب في إحداد المرأة على الزوج، برقم: (٢٢٨٣)، ٢٢٠/٢ [قديمي كتب خانہ كراتشي]، ”الموطأ للإمام محمد“، كتاب الطلاق، باب ما يكره للمرأة من الزينة في العدة، ٢٦٧ [قديمي كتب خانہ كراتشي]، ”مصنف عبد الرزاق“، كتاب الطلاق، باب ما تتقي المتوفى عنها، برقم: (١٢١٣١)، ٤٧/٧ [المكتب الإسلامي، بيروت]، ”مسند حميدي“، أحاديث أم المؤمنين عائشة، برقم: (٢٢٧)، ص ٦٦ [أهل الحديث ترست كراتشي]، ”شرح معاني الآثار“، كتاب الطلاق، باب المتوفى عنها زوجها، برقم: (٤٤٦٣)، ص ٤١ [قديمي كتب خانہ كراتشي]، ”سنن بيهقي“، كتاب الطلاق، باب الإحداد، ٤٣٨/٧ [إدارة تاليفات أشرفيه ملتان]، ”المنتقى لابن جارود“، كتاب الطلاق، باب العدد، برقم: (٧٦٤)، ١٩٢/١ [مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت].

حضرت حفصہ، حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے [یا فرمایا]: جو عورت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ سوائے اپنے شوہر کے وہ کسی بھی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔

ائمہ احادیث سیدتنا اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةٍ: نُهِنَا أَنْ نُحَدِّثَ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ إِلَّا بِزَوْجٍ.

﴿أخرجه الإمام البخاری في "صحيحه"، كتاب الطلاق، باب تحد المتوفى عنها زوجها أربعة أشهر وعشراً، برقم: (٥٣٤٠)، ص ٩٥٣، واللفظ له، "وصحيح مسلم"، كتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة، برقم: [٣٧٤٢]- ٦٧ (٠٠٠)، ص ٦٤٧، "مسند" لأحمد، مسند البصريين، حديث أم عطية، برقم: (٢٠٨٢٠)، ٤٠٠/٧، "صحيح ابن حبان"، كتاب الطلاق، باب ذكر الإباحة للمرأة في الإحداد، برقم: (٤٢٩٠)، ص ٧٤٦، و"ابن ماجه"، كتاب الطلاق، باب هل تحد المرأة على غير زوجها، برقم: (٢٠٨٧)، ص ٣٥١، و"سنن أبي داود"، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنب المعتدة في عدتها، برقم: (٢٣٠٢)، ص ٣٣٥، "سنن النسائي"، كتاب الطلاق، باب الخضاب للحادة، برقم: (٣٥٣٥)، ٢٠٥/٦، "سنن الدارمي"، كتاب الطلاق، باب النهي للمرأة عن الزينة في العدة، برقم: (٢٢٨٦)، ٢٢١/٢، "المصنف" لعبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب ما تتقي المتوفى عنها، برقم: (١٢١٢٨)، ٤٧/٧، "المصنف" ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب: ما قالوا في الإحداد، ١٩٩/٤، "شرح معاني الآثار"، كتاب الطلاق، باب المتوفى

عنها زوجها، برقم: (٤٤٦٧)، ص ٤١٤، "السنن الكبرى" للبيهقي، كتاب الطلاق، باب الإحداد، ٤٣٩/٧، "المنتقى" لابن جارود، كتاب الطلاق، باب

العَدَد، برقم: (٧٦٦)، ١٩٣/١.

حضرت محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ سوائے شوہر کے کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں۔

ان روایات کی روشنی میں پتہ چلا کہ تین روز کے بعد وفات کی غمی منانا ممنوع ہے لیکن حصول نعمت کی خوشی بار بار اور ہمیشہ منانا محبوب ہے چنانچہ ہم بارہ ربیع الاول کو وفات اقدس کی غمی نہیں بلکہ نعمت میلاد کی خوشی مناتے ہیں۔
علاوہ ازیں "نسائی شریف" میں ہے:

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفِيهِ قُبُضَ إلخ)).

"سنن النسائي"، كتاب الجمعة، باب: إكثار الصلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة، رقم الحديث: (١٣٧٠)، الجزء الثالث، ج ٣، ص ٨٩

[مطبوعة دار الفكر، بيروت].

ترجمہ: حضرت اوس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے، اسی روز آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی روز ان کی وفات ہوئی..... إلخ۔"
نیز "ابن ماجہ" میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ هَذَا يَوْمٌ عِيدٌ جَعَلَهُ اللَّهُ لِلْمُسْلِمِينَ. فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسْ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ)).

"سنن ابن ماجه"، كتاب الجمعة، باب ما جاء في الزينة يوم الجمعة، رقم الحديث: (١٠٩٨)، ص ١٨٥ [دار إحياء التراث العربي، بيروت].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس جمعہ کے دن کو مسلمانوں کے لیے عید بنایا ہے تو جو کوئی جمعہ پڑھنے کے لیے جائے تو اس چاہیے کہ غسل کرے، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو لگائے اور تم مسواک کو اپنے لیے لازم کرلو۔"

معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن آدم علیہ السلام کا یوم میلاد بھی ہے اور یوم وفات بھی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وفات غمی کے بجائے یوم میلاد کی خوشی باقی رکھی اور ہر جمعہ کو مسلمانوں کے لیے عید بنایا۔

اب یہ مسئلہ اظہر من الشمس اور ابن من الامس ہو گیا کہ ایک ہی روز میں اگر غمی اور خوشی کے واقعات جمع ہو جائیں تو غمی کی یاد تین روز کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور خوشی ہمیشہ باقی رہتی ہے لہذا جب بارہ ربیع الاول کو یوم میلاد اور یوم وصال دونوں ہی ہیں تو وفات اقدس کی غمی وفات سے تین روز بعد ختم ہو چکی ہے اور میلاد کی خوشی قیامت تک باقی رہے گی۔ لیکن مخالفین چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آج رنج و غم اور سوگ کی بات کر رہے ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ انہوں نے عمارت وہابیہ کے دوستوں قاضی شوکاں اور

وحید الزماں (جن کی کتب میں شیعہ گردی پائی جاتی ہے) سے متاثر ہو کر رنج و غم اور سوگ و ماتم کی اینٹوں سے ان ستونوں کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے اگر ایسا ہی ہے تو مخالفین خود سوچ لیں کہ انہوں نے اپنا قارورہ کس گردہ سے ملایا ہے اگر مخالفین نے اس سلسلے میں مزید ہرزہ رسانی کی تو پھر ہم انہیں ”نیل الاوطار“ اور ”لغات الحدیث“ کی سیر کرائیں گے اور بتائیں گے کہ کسی کو شیعہ لکھ دینا الگ بات ہے اور ثابت کرنا الگ بات ہے۔ عقلمند را اشارہ کافی ست!

برادران اسلام! میلاد النبی ﷺ پر لفظ عید بڑھا کر عید میلاد النبی ﷺ کہنے پر بھی بڑی کھینچ تان کی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ عید تو صرف دو ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ پھر بار بار اس آیت کریمہ کی تلاوت کی جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْمائدة: ۳﴾ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یوم میلاد النبی کو تیسری عید قرار دینا دین میں زیادتی ہے اس کے بعد حدیث شریف پڑھی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ بَدْعَةٍ ضَالَّةٌ)). ”سنن ابن ماجہ“، مقدمۃ المؤلف، باب اتباع الخلفاء الراشدين، رقم الحديث: (۴۲)، ص ۱۷ [مطبوعة دار

إحياء التراث العربی، بیروت]

ترجمہ حدیث: ہر بدعت گمراہی ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ یوم میلاد کو عید کہنا بدعت مذمومہ ہے، اس طرح یوم میلاد کو عید سے موسوم کرنے والے مسلمانوں کو گمراہ اور جہنمی بنایا جاتا ہے، قرآن وحدیث سنانے کے بعد پھر قیاس آرائی کی جاتی ہے کہ جو لوگ یوم میلاد کو عید کہتے ہیں وہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہیں، بھلا کیا عید کے دن بھی روزہ رکھا جاتا ہے؟ مخالفین کا قول یہ ہے کہ یا تو روزہ مت رکھو یا پھر یوم میلاد کو عید کہنا چھوڑ دو۔

سامعین کرام! آپ نے مخالفین کے اعتراضات کا خلاصہ سن لیا ہے اب بغور جوابات بھی سماعت فرمالیجئے تاکہ مخالفین کی قلعی کھل جائے اور بے چین کو اطمینان ہو جائے، البتہ وہ شخص جس کی حالت یہ ہو کہ کسی کروٹ چین نہیں یا مثل بے پندے کا لوٹا ہو تو وہ بے چین اور لڑھکتا ہی رہے گا اسے چین و دوام کیسے حاصل ہوگا؟ سب سے پہلے ہم اس بات پر گفتگو کرتے ہیں کہ عید میلاد النبی ﷺ کو عید کہنے کی وجہ کیا ہے؟ اور اسے عید کہنا درست ہے یا نہیں قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا انہوں نے بارگاہ الہی میں عرض کی:

اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا۔

ترجمہ: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار کہ وہ (خوان اترنے کا دن) ہمارے لئے عید ہو، ہمارے

اگلوں اور پچھلوں کی۔ ﴿المائدة: ۱۱۴﴾

اس آیت کریمہ کے تحت کچھ گفتگو آپ پہلے سماعت فرما چکے ہیں، اس وقت یہ بیان کرنا ہے کہ جس دن دنیا میں نعمتِ خوان اترے جب وہ یوم عید ہو تو جس دن نعمتِ سرور دو جہاں کی ولادت ہو تو کیا وہ یوم عید سعید نہیں ہوگا بلاشبہ ہمارے لئے یوم میلاد عید سعید کا دن ہے اگر کسی عید کے لئے اس دن کو عید کہنا بدعت و گمراہی ہے تو وہ اپنے عناد میں بھٹکتا رہے ہمارا اس کا بھلا کیا ساتھ اب قرآن حکیم کے بعد حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھئے۔

”بخاری شریف“ میں ہے: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَأُونَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَا تَخَذُنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا، قَالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳] قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ. ﴿صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، رقم الحديث: (۴۵)، ص ۱۱۰﴾

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود میں سے ایک شخص نے آپ سے کہا: یا امیر المؤمنین! آپ لوگوں کی کتاب میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں، اگر یہ آیت ہم جماعت یہود پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس آیت کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے، حضرت عمر نے فرمایا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس شخص نے کہا: وہ آیت یہ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]
(اس پر) حضرت ﷺ نے فرمایا: قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ

جُمُعَةٍ.

یعنی بلاشبہ ہم اس دن اور اس جگہ کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، وہ جمعہ کا دن تھا اور نبی کریم ﷺ اس وقت میدان عرفات میں کھڑے ہوئے تھے۔

برادرانِ اسلام! اسی مضمون کی حدیث ان دیگر کتب احادیث میں بھی ہے:

”صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حجة الوداع، رقم الحديث: (۴۴۰۷)،

”صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب سورة المائدة، رقم الحديث: (۴۶۰۶)،

”صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، رقم الحديث: (۷۲۶۸)،

”صحيح مسلم، كتاب التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، رقم الحديث: [۷۵۲۵]-۳-(۳۰۱۷)،

”جامع الترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب: من سورة المائدة، رقم الحديث: (۳۰۴۳)،

”سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان، رقم الحديث: (۵۰۲۲)،

”سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب ما ذكر في يوم عرفة، رقم الحديث: (۲۹۹۹)،

حوالہ جات آپ نے سماعت فرمائے اب پہلے ہم اس حدیث پر علماء اسلام کے اقوال قلمبند کرتے ہیں پھر اس پر کئے گئے اعتراض کا جواب آپ کے گوش گزار کریں گے۔

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول: ”قَدْ عَرَفْنَا“ یعنی ”بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس دن اور کس مقام پر نازل ہوئی“ کے تحت لکھتے ہیں:

معناه أنا ما أهملناه لا يخفى علينا زمان نزولها ولا مكان نزولها وضبطناه جميع ما يتعلق بها حتى صفة النبي ﷺ وموضعه في زمان النزول هو كونه قائماً فقد اتخذنا ذلك اليوم عيداً وعظّمنا مكانه أيضاً.

﴿من ”حاشية صحيح البخاري“، ج ۱، ص ۱۱ [مطبوعة قديمي كتب خانہ، کراچی]﴾

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اسے نظر انداز نہیں کیا ہم پر اس آیت کے نازل ہونے کا وقت اور مقام مخفی نہیں ہے اور ہم نے اس آیت سے متعلق تمام چیزوں کو ضبط کیا ہوا ہے یہاں تک کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت میں نبی کریم ﷺ کی کیفیت اور ان کی جگہ کہ اس وقت نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے تھے پس بلاشبہ ہم نے اس دن کو عید بنایا ہے اور وہ جگہ بھی ہمارے لئے معظم ہے (جس دن اور جس جگہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی)۔

امام نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ومراد عمر ﷺ أنا قد اتخذنا ذلك اليوم عيداً من وجهين؛ فإنه يوم عرفة، ويوم الجمعة، وكل واحد منهما عيد

لأهل الإسلام. ﴿شرح صحيح مسلم للنووي، الجزء: ۱۸، ج ۹، ص ۱۵۳، كتاب التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، رقم الحديث:

[۷۵۲۵]۳- (۳۰۱۷) [طبعة دار إحياء التراث العربي، بيروت].﴾

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ بلاشبہ ہم نے اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی دو وجہ سے عید بنایا اس لئے کہ وہ عرفہ کا اور جمعہ کا دن تھا اور دونوں میں سے ہر ایک اہل اسلام کے لئے عید ہے۔

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

إشارة إلى أنّ ذلك اليوم كان عيداً لنا. ﴿حاشية جامع الترمذي، ج ۲، ص ۱۲۹ [مطبوعه مير محمد، کراچی]﴾

ترجمہ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن (جس میں یہ آیت نازل ہوئی) ہمارے لئے عید تھا۔ شیخ سندھی متوفی ۱۱۲۳ھ لکھتے ہیں:

قد جمع الله تعالى لنا في يوم نزولها عيدين منة منه تعالى.

﴿حاشية سندھی علی النسائی، ج ۲، ص ۲۶۹ [قدیمی کتب خانہ، کراچی]﴾

ترجمہ: یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے نازل ہونے کے دن ہمارے لئے دو عیدیں جمع فرمائیں یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے۔

امام بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ ”عمدة القاری“ میں لکھتے ہیں:

معناه: أنا ما تركنا تعظيم ذلك اليوم والمكان، أمّا المكان فهو عرفات، وهو معظم الحج الذي هو أحد أركان الإسلام، وأما الزمان فهو يوم الجمعة ويوم عرفة. وهو يوم اجتمع فيه فضلان وشرفان، معلوم تعظيمنا لكل واحد منهما، فإذا اجتماعا زاد التعظيم، فقد اتخذنا ذلك اليوم عيداً وعظمنا مكانه أيضاً.

﴿”عمدة القاري“، ج ۱، ص ۳۸۸ [طبعة دار الكتب العلمية، بيروت].﴾

ترجمہ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس دن اور جگہ کی تعظیم ترک نہیں کی ہے (جس میں یہ آیت نازل ہوئی)، رہی جگہ تو وہ میدان عرفات تھا اور وہ حج جو اركان اسلام میں سے ایک رکن ہے اس کا بڑا حصہ ہے اور رہا وقت تو وہ جمعہ اور عرفہ کا دن تھا اور نزول آیت کا دن (وہ دن ہے جس میں دو فضیلتیں اور دو شرف جمع ہو گئے اور یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے لئے دونوں میں سے ہر ایک قابل

تعظیم ہے پس جب دونوں جمع ہو گئے تو تعظیم بھی زائد ہو گئی لہذا ہم نے اس دن کو (جس میں آیت کا نزول ہوا) عید بنایا ہے اور ہمارے لئے وہ جگہ بھی معظم ہے۔

آئیے اب آخر میں ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت آپ کے گوش گزار کرتے ہیں تاکہ ”صحیح بخاری“، ”صحیح مسلم“، ”سنن نسائی“ اور ”جامع ترمذی“ سے ذکر کردہ حدیث پر کوئی مخالفین یہ نہ کہہ دے کہ اس حدیث میں فاروق اعظم نے اس حدیث کے تحت لفظ عید استعمال نہیں کیا ہے اور اقوال علماء ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔

برادران اسلام! موقع آنے پر ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ان کے نزدیک کیا چیز حجت ہے اور کیا حجت نہیں ہے؟ فی الحال آپ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سماعت فرمائیے:

عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ وَعِنْدَهُ يَهُودِيٌّ فَقَالَ: لَوْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا يَوْمَهَا عِيدًا، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدَيْنِ: فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ. ﴿جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب: من سورة المائدة، الرقم: (۳۰۴۴)، ص ۶۸۵﴾

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آیت کریمہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ تلاوت فرمائی تو ان کے پاس ایک یہودی نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس آیت کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدَيْنِ: فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ. یعنی بلاشبہ جس روز یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی اس دن دو عیدیں تھیں ایک یوم جمعہ اور دوسری یوم عرفہ کی۔

سامعین کرام! آپ نے حدیث عمرؓ اور اسکے تحت اقوال علماء اور بالخصوص حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس بات کو بخوبی جان لیا کہ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن پر لفظ عید کا اطلاق کیا گیا ہے اب مخالفین کی اس بات پر غور کیجئے جس میں یہ کہا گیا تھا: ”عید تو صرف دو ہی ہیں ایک عید الفطر دوسری عید الاضحیٰ“ اب مخالفین ہی بتائیں کہ ان کا یہ حصر حقیقی تھا یا حصر فسادى اگر آپ یہ کہیں کہ عیدیں تو صرف دو ہی ہیں تو اس صورت میں ان روایات کا کیا ہوگا! جو ہم نے بیان کی ہیں جن میں جمعہ اور عرفہ کے دن پر بھی لفظ عید کا اطلاق کیا گیا ہے، اب مخالفین اس کا جو جواب دیں گے وہی جواب یوم ولادت کو عید کہنے کا ہماری طرف سے بھی ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی پتا چل جائے گا کہ مخالفین کا حصر حقیقی نہیں بلکہ فسادى تھا کیونکہ انہوں نے اس بات کی بنیاد فساد پر رکھی تھی جو اہل محبت سے ڈھکی چھپی نہیں ہے جیسا کہ ہم اس بحث کے آخر میں مزید واضح کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

برادران اسلام! اب آپ غور فرمائیے کہ مخالفین جس آیت کریمہ کو پڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ کسی اور دن کو عید کہنا دین میں زیادتی ہے حالانکہ یہ خود کھلی زیادتی اور حدیث سے بے خبری ہے، کیونکہ ہم نے کئی روایات ابھی آپ کے گوش گزار کی ہیں جس سے یہ بات بالکل ظاہر ہوتی ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص نعمت ملے اس دن کو عید کہنا اور خوشی منانا جائز ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس آیت کریمہ کو پڑھ کر مخالفین ہم پر یہ اعتراض کرتے ہیں اسی آیت کریمہ کے متعلق جب یہودیوں میں سے کسی نے فاروق اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ بات کہی کہ اگر ہم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوتی تو پھر ہم اس کے یوم نزول کو عید کا دن مناتے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق بھی آپ نے سنا کہ ان کی خدمت میں بھی یہی بات کہی گئی تھی اور یہ بات کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس آیت میں اسلام کے غلبہ کی بشارت اور تکمیل دین اور اتمام نعمت کا بیان ہے اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے لہذا اس آیت کے نزول کے دن کو عید منانا چاہیے پھر مسلمان اس دن کو کیوں عید نہیں مناتے؟ اس پر فاروق اعظم ؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم جس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے دن کو عید منانے کا کہہ رہے ہو اس میں تو خود اس بات کا بیان ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور عیدیں تو صرف دو ہی ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ لہذا اب تیسری عید بنانا یہ تو دین میں زیادتی ہوگی جس کے ہم قائل و فاعل نہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ جماعت صحابہ نے اس آیت کریمہ کا جو مطلب نہیں لیا تھا وہ ملت و ہابیہ نے گھڑ لیا ہے ”یعنی جو کام پہلے نہ تھا پھر بعد میں وہ کام مسلمانوں میں رائج ہو گیا“ وہ مذہب و ہابیہ میں دین میں زیادتی تصور کیا جائے گا اور داخل مسجد ہو یا خارج مسجد اسی آیت کریمہ کو بطور دلیل پڑھ کر سنایا جائے گا اور اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ وہ کام اصول اسلام کے تحت اور خلاف شرع ہے بھی یا نہیں؟ لہذا اس آیت کریمہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ پڑھ کر دھوکہ دینے والوں سے ہوشیار رہئے اس لئے کہ فرقہ خوارج نے جب حضرت علی ؓ کی حمایت سے برأت کا اظہار کیا تو انہوں نے بھی قرآن سے استدلال کرتے ہوئے معاذ اللہ! حضرت علی کو مشرک قرار دیا تھا اس کی پوری تفصیل کتب توارخ میں موجود ہے فی الحال ہم ایک حوالہ غلام احمد حریری کی کتاب ”اسلامی مذاہب“ سے آپ کے گوش گزار کرتے ہیں سماعت فرمائیے، لکھتے ہیں:

خوارج کو فہم دین کی کوتاہی نے اخلاص کے باوجود گمراہ کر دیا اور یہ لوگ اسلام کے جوہر و روح کو پامال کرنے لگے انہوں نے حضرت عبداللہ بن خباب ؓ کو محض اس لئے قتل کر دیا تھا کہ وہ حضرت علی ؓ کو مشرک تصور نہیں کرتے تھے۔ ﴿اسلامی مذاہب ص ۸۷﴾

اب آپ ان خوارج پر غور فرمائیے جنہوں نے حضرت علی ؓ پر شرک کا فتویٰ جڑ دیا تھا اور قرآن سے ﴿إِنِ الْحُكْمُ لِلَّهِ﴾ [الأنعام: ۵] یعنی ”حکم صرف اللہ کا ہے“ پڑھ کر اس سے یہ استدلال کیا تھا کہ چونکہ حضرت علی ؓ نے انسان کو حکم (یعنی فیصلہ کرنے والا) بنایا ہے حالانکہ قرآن میں ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ لِلَّهِ﴾ یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے؛ لہذا حضرت علی ؓ شرک کر کے مشرک ہو گئے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

فرقہ خوارج ہی کے بارے میں مشہور دیوبندی عالم بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں:

”ان کے اقوال و عقائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت موٹی عقل اور سطحی علم کے مالک تھے درک مقاصد، فہم معانی، استنباط و استخراج کا ان میں کوئی ملکہ نہ تھا، قرآن شریف پڑھنے کا انہیں شوق ضرور تھا مگر اس کے معانی کی انہیں کوئی اہمیت نہیں تھی، طوطے کی طرح قرآن ان کی زبانوں پر تھا مگر ان کے قلوب اس کی صحیح ہدایات اور لطیف مضامین سے قطعاً خالی تھے ان کی اس علمی بے مائیگی کی

طرف (”بخاری شریف“ کی) حدیث کے الفاظ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے: ((يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُحَاجِرُونَ حَنَاجِرَهُمْ)) یعنی وہ قرآن تو بہت تلاوت کریں گے مگر قرآن صرف ان کی زبانوں پر ہوگا، انکے قلوب میں علم و فہم کا کوئی ذرہ نہ ہوگا، دوسری علامت ان کے علم نما جہل کی بتائی گئی ہے کہ (اسی روایت میں ہے): ((يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ)) [”صحیح البخاری“، کتاب أحادیث الأنبياء، باب: قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ﴾، رقم الحدیث: (۳۳۴۴)] یعنی بت پرستوں کو چھوڑ کر اہل اسلام قتل کریں کریں گے۔

دیوبندی عالم کے اس مضمون میں جن احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے آپ انہیں ”مشکاۃ المصابیح“ کتاب القصاص، باب قتل أهل الردّة والسعاة بالفساد، ص ۳۰۷ تا ۳۰۹، کتاب الفتن، باب في المعجزات، ص ۵۳۴، ۵۳۵ [قدیمی کتب خانہ، کراچی] پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آئیے اب ہم مخالفین کے ایک بہت بڑے عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ کی کچھ باتیں اس سلسلے میں آپ کے گوش گزار کرتے ہیں تاکہ ان کی کہانی ان ہی کی زبانی آپ سن لیں، شیخ وحید الزماں ایک حدیث کے کلمہ کا اردو ترجمہ ”نوجوان کم عقل“ کرتے ہوئے اس کی تشریح میں ”لغات الحدیث“، کتاب الحاء، ج ۱، ص ۳۲ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی] پر لکھتے ہیں: (اس سے) مراد خارجی ہیں، ظاہر میں اچھی بات کہیں گے یعنی قرآن کی آیتوں سے دلیل لیں گے مگر آیتوں کے معنی اپنی خواہش کے مطابق کر لیں گے اور آنحضرت اور صحابہ کرام کی تفسیر کا کچھ لحاظ نہ کریں گے، حضرت عبداللہ بن عمر، ان خارجیوں کو بدترین خلق سمجھتے تھے کیونکہ ان کم بختوں نے کیا کیا تھا کہ جو آیتیں مشرکوں اور کافروں کے باب میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپتے تھے، ابن طاہر فتنی نے کہا: ان سے بدتر وہ لوگ ہیں جو ان آیتوں کو جو یہود کے باب میں نازل ہوئی ہیں علمائے امت محمدیہ پر چسپتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نحوست سے زمین کو پاک کرے۔

پھر اسی صفحہ مذکورہ پر آگے لکھتے ہیں:

مؤلف (یعنی شیخ وحید الزمان) کہتا ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی چند رکابیہ اور نیچریہ اور مرزائیہ اور قادیانیہ اور وجودیہ اور چکڑالویہ اور ثنائیہ فرقے ایسے نکلے ہیں جو قرآن کی آیتوں کی تفسیر اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق کرتے ہیں اور صحابہ اور تابعین کی تفسیر کی پابندی نہیں کرتے ان میں کچھ تو کافر ہیں، جو اصول اسلام یا متواترات کا انکار کرتے ہیں، کچھ مسلمان ہیں مگر گمراہ ہیں جیسے وہ رکابی (الحدیث) جو مکروہ یا حرام یا مختلف فیہ (یعنی اختلافی) کاموں کو شرک قرار دے کر بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہہ دیتے ہیں، ائمہ دین کی توہین کرتے ہیں جو آیتیں یا احادیث بتوں کے باب میں وارد ہوئی ہیں، ان کو انبیاء اور اولیاء اور ملائکہ پر چیپ دیتے ہیں۔

پھر مخالفین کے یہی علامہ موصوف لکھتے ہیں:

مؤلف (یعنی شیخ وحید الزمان) کہتا ہے، جو کوئی شرک اصغر کے کاموں پر مسلمانوں کی تکفیر کرے یا ان کو قتل کے لائق سمجھے یا ان کو قتل کرے وہ بھی خارجی ہے گونا گویا اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرے۔ ﴿لغات الحدیث﴾، کتاب الحاء، ج ۱، ص ۲۹ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ،

برادران اسلام! کیا ہماری اس مختصر گفتگو سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ محض قرآن پڑھنے والے کو حق سمجھ لینا بڑی نادانی اور کھلی ہوئی بے وقوفی ہے بلکہ اس بات پر تدبر و تفکر کرنا چاہیے کہ قرآن پڑھ کر خطیب جو مطلب و معنی بیان کر رہا ہے وہ قرآن کی دیگر آیات کریمہ یا احادیث رسول ﷺ یا سلف صالحین یا جمہور مفسرین اور اصول اسلام کے مطابق ہے یا خلاف؟

اب آپ غور فرمائیے کہ وہ حضرات کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو آیت کریمہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ پڑھ کر برملا، علی الاعلان میلاد النبی ﷺ کے دن کو عید کہنے والوں کو دین کی زیادتی کرنے والے اور بدعتی شمار کرے حالانکہ ہم کئی روایات آپ کے گوش گزار کر چکے ہیں جن میں اسی آیت کریمہ کے ذکر ہونے کے ساتھ یوم جمعہ اور یوم عرفہ پر بھی عید کا اطلاق کیا گیا ہے جو مخالفین کی اس بات کے خلاف ہے کہ ”عیدیں تو صرف دو ہیں ایک عید الفطر، دوسری عید الاضحیٰ لہذا کسی دن کو خواہ یوم میلاد ہی کیوں نہ ہوں عید قرار دینا محض جعلی اور من گھڑت عید ہے۔“

سامعین کرام! ہم اس سلسلے میں کچھ تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں کہ ایسی روش اختیار کرنا کن حضرات کا شیوہ ہے، فی الحال یہاں ایک بات عرض کرنی ہے جو یہ ہے کہ بیان کردہ روایات سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص نعمت ملے اس دن عید منانا جائز ہے، وہ اس طرح کہ اگر یہ بات ناجائز و بدعت ہوتی تو حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (یہود میں سے اس شخص کو جس نے کہا تھا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے دن کو ہم عید منالیتے اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی) یہ جواب دیتے کہ وہ تمہارا مذہب ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے تو اس دن عید مناؤ ہمارے دین میں تو یہ بدعت اور دین میں زیادتی ہے مگر ان دونوں صحابی میں سے کسی نے بھی یہ نہیں فرمایا بلکہ پوچھنے والے کو یہ جواب دے کر مطمئن کر دیا کہ ہم پہلے ہی سے اس دن کو عید مناتے ہیں اور وہ بھی اس تفصیل سے کہ وہ جگہ (جہاں آیت کریمہ نازل ہوئی) ہمارے لئے عید کی جگہ ہے وہ تاریخ بھی عید کی تاریخ ہے اور وہ دن بھی عید کا دن ہے۔

ظاہر و باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت حضور ﷺ ہیں اور اس میں کسی امتی کو کوئی شک نہیں ہے اور رہا شکی کا معاملہ تو اس کے لئے ہم پہلے ہی حدیث بخاری بیان کر چکے ہیں لہذا جس دن یہ نعمت عظمیٰ ملی یعنی یوم ولادت اس کو عید منانا بھلا کیسے ناجائز و بدعت ہوگا اب ہم اس سلسلے میں ان مخالفین کے اعتراض کا جواب بیان کرتے ہیں جو دو عیدوں سے زائد عیدیں ماننے کا اقرار کر کے پھر بھی اعتراض کرتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مخالفین بھی دو سے زائد عیدیں مان لیں اور لکھڑ منڈی کے نالے سے سیراب ہو کر یہ اعتراضات کر بیٹھیں سو ہم پہلے ہی سے اس پر بند باندھ دیتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ لکھڑ منڈی کے ایک دیوبندی شیخ الحدیث سرفراز لکھڑوی صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن کنز الایمان اور اس پر لکھا گیا حاشیہ خزائن العرفان از صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی پر اعتراضات ”تنقید متین“ نامی کتاب لکھ کر شائع کیے تو شیخ الحدیث والنفسیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ”تنقید متین“ کا ایسا علمی جواب بصورت کتاب ”توضیح البیان“ میں دیا کہ مخالف کے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ نہ چھوڑا یہی وجہ تھی کہ دیوبندی شیخ الحدیث جس کے قلم سے اہل حدیث حضرات بھی خائف رہتے ہیں، ایسا مقید ہوا کہ اسے کتاب مستطاب ”توضیح البیان“ کا جواب دینے کا بارہ سال تک ہوش نہ آیا، پھر بارہ سال کے بعد ”اتمام البرہان“ کے نام سے ایک کتابچہ بطور جواب لکھا وہ بھی بامر

مجبوری کیونکہ ہر طرف سے شرمندگی اٹھانی پڑ رہی تھی بہر حال ایک کتابچہ بطور جواب لکھ کر موصوف نے اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کی بظاہر تو کوشش کی لیکن اس کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ یہ جوابی کتابچہ محض سو قیانہ تحریر اور سب و شتم سے لبریز ہے، اس لائق نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے تاہم پھر بھی شیخ الحدیث والتفسیر نے جزئیات میں الجھنے کے بجائے علم و قدرت سے متعلق ہر پہلو پر اصولی مباحث صرف ڈیڑھ ماہ کی قلیل مدت میں سپرد قلم کر کے ”مقام ولایت و نبوت“ کے نام سے شائع کر دی، ہمارا یہ اعلان ہے کہ جس کا دل چاہے بلا تعصب محض رضائے الہی کہ پیش نظر ”تنقید متین“ اور اس کا جواب ”توضیح البیان“ کا مطالعہ کرے تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی کہ ہماری بیان کردہ باتیں خوش فہمی پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

آئیے اب اعتراض اور اس کا جواب سنیے اور غور کیجئے سرفراز صاحب ”تنقید متین“ ص ۵۵ پر لکھتے ہیں:

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد النبی کو حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے کیونکہ جمعہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرام نے از خود متعین و مقرر نہیں کیا اور نہ خود اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے بلکہ ان دنوں کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی جس کا اعلان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد النبی کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔

اعتراض آپ حضرت نے سن لیا اب اس کا جواب شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کے قلم سے نکلا ہو امیری زبان سے سنئے:

جہالت کا پلندہ کیا ہے یہ عنقریب ناظرین پر واضح ہو جائے گا، یوم جمعہ اور یوم عرفہ کا دن بعض نعمتوں کے حصول کی بناء پر عید قرار پایا ہے اور ہم نے یوم جمعہ اور یوم عرفہ کے عید ہونے پر عید میلاد کو قیاس نہیں کیا بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب یوم جمعہ اور یوم عرفہ بعض نعمتوں کے حصول کی بناء پر عید قرار پایا تو بارہ ربیع الاول کا دن جس میں ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت حاصل ہوئی بطریق اولیٰ عید قرار پائے گا اور یہ قیاس نہیں ہے، جہالت تو یہ ہے کہ مخالفین کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیاس میں مساوات ہوتی ہے اور یہاں مساوات نہیں بلکہ عید ہونے کی علت عید میلاد النبی میں اقویٰ اور اولیٰ درجہ میں پائی گئی ہے اس کو دلالة النص کہتے ہیں، اصول فقہ کی کتابوں میں اس قاعدہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، مثلاً قرآن کریم میں ماں، باپ کو ”اُف“ کہنے سے روکا گیا ہے پس انہیں اُف کہنا حرام ہے، اب کوئی شخص اپنے ماں، باپ کو مارنا پیٹنا شروع کر دے اور کہے کہ اُف کہنا حرام ہے جس کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کا اعلان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ہوا مارنے پٹنے سے کب منع کیا گیا! پس اُف پر مارنے پٹنے کو قیاس کرنا زرا باطل اور فاسد قیاس ہے تو بتائیے ایسے شخص کی بات کو کون مانے گا! پس جس طرح ماں باپ کو اُف کہنا حرام ہے تو مارنا پیٹنا بطریق اولیٰ حرام پایا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب جمعہ کا دن چند نعمتوں کی وجہ سے عید قرار پایا تو یوم میلاد جو کائنات کی سب سے عظیم نعمت اور رحمت کا حامل ہے بطریق اولیٰ عید قرار پائے گا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الراغب: العيد ما يعاود مرة بعد أخرى، وخصّ في الشريعة بيوم الفطر ويوم النحر، ولما كان ذلك اليوم

مَجْعُولًا لِلسُّرُورِ فِي الشَّرِيعَةِ كَمَا نَبَّهَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَوْلِهِ: ((أَيَّامُ مَنْى أَكْلٍ وَشَرْبٍ وَبَعَالٍ)) صَارَ يَسْتَعْمَلُ الْعِيدَ فِي كُلِّ يَوْمٍ فِيهِ مَسْرَّةٌ.

﴿”مرقاۃ المفاتیح فی شرح مشکاة المصابیح“، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ج ۳، ص ۶۲۴ [مطبوعة مكتبة حقانية، ملتان].﴾

”مفردات امام راغب اصفہانی“ میں مزید یہ بھی ہے:

وَعَلَى ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا﴾.

﴿”معجم مفردات القرآن“ مادة: عود، ص ۳۶۴ [المكتبة المرتضوية].﴾

ترجمہ: امام راغب نے فرمایا کہ عید لغوی اعتبار سے اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور اصطلاح شرع میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو کہتے ہیں اور جبکہ یہ شریعت میں خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس طرح اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں متنبہ کیا ہے کہ ایام منیٰ کھانے پینے اور ازدواجیات کے دن ہیں تو عید کا لفظ ہر مسرت کے دن میں مستعمل ہونے لگا، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا﴾ [المائدة: ۱۱۴] میں عید سے مسرت اور شامانی کا دن ہی مراد ہے۔

اب فرمائیے امام راغب اور ملا علی قاری کے بارے میں کیا فتویٰ ہے صدر الافاضل سے تو آپ کو یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے یوم میلاد کو عید قرار دیا ہے اور ان اکابر نے تو ہر خوشی کے دن پر عید کے اطلاق کی تصریح کر دی ہے۔ ﴿”توضیح البیان“، ص ۲۸۶ [مطبوعہ حامد اینڈ سعید کمپنی، لاہور].﴾

اس کے بعد استاد محترم نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ایک طویل عبارت ”مأثبات بالسنة“ سے نقل کی ہے، ہم یہاں صرف مضمون کی مناسبت کے پیش نظر اس میں سے ایک بات بیان کرتے ہیں جو یہ ہے:

فَرَحِمَ اللَّهُ امْرَأً اتَّخَذَ لِيَالِي شَهْرَ مَوْلَدِهِ الْمُبَارَكِ أَعْيَادًا لِيَكُونَ أَشَدَّ غَلْبَةً عَلَى مَنْ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَعَنَادٌ.

﴿”مأثبات بالسنة“، ص ۱۰۴ [إدارة نعيمه رضويه لاہور].﴾

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۶ھ کی طرح اسی مضمون کی عبارت امام قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے ”المواهب اللدنیة“، ج ۱، ص ۱۴۸ [مرکز اہل سنت گجرات]، علامہ حسین محمد بن محمد دیار بکری متوفی ۹۱۱ھ نے ”تاریخ الخمیس“، ج ۱، ص ۲۲۳ پر علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ”شرح المولد“ لابن حجر میں لکھی ہے حوالہ کے لئے ”الجواهر البحار“، ج ۳، ص ۱۱۲۵ [مطبوعة المطبعة العربية، بیروت ۱۳۲۷ھ] دیکھئے اور علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے انوار محمدیہ ص ۲۹ پر لکھی ہے، اس کے علاوہ علماء و مشائخ نے یہ بات اپنی اپنی تصانیف جلیلہ میں بیان کی ہے۔

علماء اسلام اور مشائخ عظام کی یہ عبارت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے سرفراز صاحب اور ان کی پوری جماعت کے خرمین ایمان کے لئے یہ کلام برق صاعقہ سے کم نہیں۔

اب رہا وہ مسئلہ جو مخالفین نے بیان کیا تھا کہ جب یوم میلاد کو عید کہا جاتا ہے تو پھر اس دن روزہ رکھنے کا کیا جواز ہے مطلب یہ ہے کہ یا تو یوم میلاد کو عید مت کہو یا پھر روزہ مت رکھو۔ برادران اسلام! اس طرح کے لغو اعتراضات اس قابل تو نہیں کہ ان کے جواب دیئے

جائیں مگر ہم نے اس بات کے پیش نظر کہ عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانے کے منکرین کو ہمارے جواب نہ دینے کی وجہ سے کہیں خوشی منانے کا موقع نہ مل جائے اس کا جواب آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔

اولاً: مخالفین کے اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

(۱) یوم میلاد کو عید مت کہو یا (۲) یوم میلاد کا روزہ مت رکھو۔

اب آپ ان دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دینے والوں سے پوچھئے کہ اس کا اختیار ان کو کس نے دیا ہے؟ برے پھنسے! اگر وہ اس اختیار دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی طرف کرتے ہیں تو رسوا ہوتے ہیں کیونکہ اس پر تو دلیل طلب کی جائے گی اور وہ نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہوگی اور اگر یہ نسبت خود اپنی طرف کرتے ہیں تو بھی بدنام ہوتے ہیں کیونکہ سننے والے کہیں گے ان کی حالت بھی عجیب ہے کہ دوسروں پر نئی چیز گھڑنے کا الزام لگاتے لگاتے خود ہی نئی چیز گھڑنے لگ گئے اور اپنے اوپر نازاں ایسے کہ خود کو موحدین کہتے ہیں اور دوسروں کو مبتدعین و مشرکین۔

ثانیاً: یوم میلاد کو عید مت کہو یا یوم میلاد کا روزہ مت رکھو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ

(۱) عید کہو مگر روزہ مت رکھو یا پھر (۲) روزہ رکھو مگر عید مت کہو۔

اب مخالفین سے پوچھئے پہلی صورت میں عید کہنے کا جواز اور روزہ رکھنے کی ممانعت اور دوسری صورت میں روزہ رکھنے کا جواز اور عید کہنے کی ممانعت پر ان کے پاس کتاب و سنت سے کون سی صحیح دلیل ہے؟ روزہ رکھنے کی ممانعت کے ذکر سے تو ہم بری ہیں البتہ عید کہنے کے جواز کے ضرور قائل ہیں اور اس پر تفصیلی گفتگو ماقبل بیان ہو چکی ہے البتہ مخالفین تو عید کہنے کے جواز کے نہیں بلکہ عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ ان کے اس ذکر کردہ اعتراض سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ عید کہنے کے جواز کے قائل بھی ہیں۔

ثالثاً: اگر کوئی مسلمان یوم میلاد کو عید نہ کہے اور اس دن روزہ رکھے اسی طرح اس دن کو عید کہے اور روزہ نہ رکھے تو کیا مخالفین ان دونوں سے راضی ہوں گے؟ ہر گز نہیں! تو پھر اس لغو اعتراض کی بھلا کیا حاجت رہی، اگر وہ ان دونوں قائل و فاعل سے راضی ہیں تو یہ بات واضح ہو گئی کہ عید کہنا بھی درست اور روزہ رکھنا بھی صحیح۔

رابعاً: ہم تو یوم میلاد کو عید کہنے اور اس دن روزہ رکھنے کے جواز کے قائل ہیں اگر مخالفین اب بھی اپنی پرانی ضد پراڑے ہوئے ہیں تو وہ بتائیں کہ اس دن کو عید کہنے اور اس کا روزہ رکھنے کی ممانعت کس آیت یا کون سی حدیث میں آئی ہے؟

خامساً: یوم میلاد کو عید کہنے کے جواز پر بالتفصیل پہلے لکھا جا چکا ہے باقی رہا اس دن کا روزہ رکھنا تو وہ ”صحیح مسلم“ کی حدیث سے

ثابت ہے۔ ﴿”صحیح مسلم“، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، رقم

الحدیث: [۲۷۵۰]-۱۹۸-(۱۱۶۲)، ص ۴۷۸﴾

سادساً: یوم جمعہ اور یوم عرفہ پر عید کا اطلاق آیا ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے حالانکہ ان دونوں میں روزہ رکھنے کا ثبوت

حدیث سے ملتا ہے چنانچہ امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَقَلَّ مَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

﴿جامع الترمذی، کتاب الصوم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في صوم يوم الجمعة، رقم الحديث: (۷۴۲)، ص ۱۸۸ [مطبوعة دار السلام، الرياض].﴾

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مہینہ کے تین دن اور جمعہ کو روزہ رکھتے تھے اور بہت کم روزہ چھوڑتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے۔ ﴿بحوالہ ”عمدة القاری“، ج ۱۱، ص ۱۰۵ [مطبوعة إدارة الطباعة الميرية، مصر]،

”شرح صحیح مسلم“، ج ۳ ص ۱۳۳ [مطبوعة فريد بك اسٹال لاہور].﴾

نیز ”صحیح مسلم“ کی حدیث ہے کہ

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..... قَالَ: وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ: ((يُكْفَرُ السَّنَةُ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ)).

﴿”صحیح مسلم“، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، رقم الحديث: [۲۷۴۷] ۱۹۷، ص ۴۷۷ [مطبوعة دار السلام، الرياض]، ”شرح صحیح مسلم“، ج ۳ ص ۱۶۷ [مطبوعة فريد بك اسٹال لاہور].﴾

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کا سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس روزے سے گزرے ہوئے سال اور آنے والے سال کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

سابعاً: ہو سکتا ہے کہ مخالفین نے اس حدیث کو پڑھ کر اعتراض کر دیا ہو جسے کئی محدثین نے روایت کیا ہے مثلاً امام مسلم علیہ الرحمۃ نے اپنی ”صحیح“ میں روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ. ﴿”صحیح مسلم“، کتاب

الصیام، باب النهي عن صوم يوم الفطر ويوم الأضحى، رقم الحديث: [۲۶۷۴] ۱۴۱. ”شرح صحیح مسلم“، ج ۳ ص ۱۲۹ [مطبوعة فريد بك اسٹال لاہور].﴾

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن روزے رکھنے سے منع فرمایا: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

لیکن اس حدیث کو پڑھ کر یوم میلاد کے روزہ رکھنے پر اعتراض کر دینا کئی وجوہ سے صحیح نہیں:

(۱) اس حدیث میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے جبکہ مخالفین یوم میلاد کا روزہ رکھنے سے بھی منع کر رہے ہیں جس کا اس حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے کیا یہ دین میں زیادتی تو نہیں؟

(۲) اس حدیث میں جس میں عید کے دونوں کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے وہ دونوں عید شرعی ہیں اور مخالفین کا اس پر قیاس کرتے ہوئے یوم عید میلاد کا روزہ رکھنے سے منع کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ یوم میلاد عرفی ہے نہ کہ شرعی اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ حدیث میں عید شرعی کا روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے نہ کہ عید عرفی میں روزہ رکھنے کی۔

(۳) اس حدیث میں دو دن کے روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے جبکہ مخالفین نے اس حدیث کو پڑھ کر تین روزے رکھنے کی

ممانعت بیان کر دی، کیا دوسروں کو دین میں زیادتی کا الزام دینے والے خود ہی زیادتی کرنے کے درپے ہو گئے ہیں؟!

برادران اسلام! اب ہم اس سلسلے کو جوڑتے ہیں جسے مخالفین نے توڑ دیا تھا اور توڑنے کی وجہ یہ تھی کہ پہلے تو جوش میں آ کر حضرات قدسیہ کا نام فرداً، فرداً ذکر کے اس جملے کی تکرار کرتے رہے کہ انہوں نے میلاد منایا؟ پھر جب ذرا ہوش آیا تو ان کے سارے جوش ٹھنڈے پڑ گئے بلکہ انہیں اپنے بناوٹی عزت و ناموس کے لالے پڑ گئے کیوں؟ اس لئے کہ اگر وہ اس سلسلہ کلام کو تیرہویں صدی ہجری تک جاری رکھتے تو سننے والوں کو علماء اسلام کے اقوال و افعال سے محفل میلاد کے جواز و استحباب پر ثبوت مل جاتا، اسی فکر سے مبہوت ہو کر انہوں نے تو سلسلہ توڑ دیا مگر ہم نے بفضل اللہ تعالیٰ اسے یوں جوڑ دیا، ملاحظہ فرمائیے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**. ﴿الانبیاء: ۷﴾

ترجمہ: ”اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھو“۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے چاہیے کہ جمہور اسلام سے پوچھا جائے کہ وہ جشن عید میلاد النبی ﷺ سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ تمام اقوال کے بیان کرنے کا نہ وقت ہے اور نہ گنجائش؛ لہذا اقوال کثیرہ سے کچھ بیان کئے جائیں گے اور ان میں بھی اختصار کے پیش نظر عربی، فارسی عبارات حذف کر کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۱) امام ابو شامہ علیہ الرحمۃ جو امام نووی متوفی ۶۷۲ھ شارح ”صحیح مسلم“ کے استاد الحدیث ہیں فرماتے ہیں:

”ہمارے زمانے میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ہر سال حضور ﷺ کے میلاد کے دن صدقات و خیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت کے لئے اپنے گھروں کو چوں کو آراستہ کرتے ہیں کیوں کہ اس میں کئی فائدے ہیں فقراء اور مساکین کے ساتھ مروت اور احسان کا برتاؤ ہے نیز جو شخص یہ کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی محبت اور عظمت کا چراغ ضیاء بار ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو پیدا فرما کر اور حضور کو رحمت للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر مبعوث فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت برا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنے کے لئے اس بہجت و مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔“

﴿السيرة الحلبية، ج ۱، ص ۱۲۳ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بيروت]، ”ضیاء النبی“ ج ۲، ص ۴۷ [مطبوعة ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]﴾

(۲) علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

(قرون ثلاثہ کے بعد سے) ”اہل مکہ و مدینہ، اہل مصر، یمن، شام اور تمام عالم اسلام شرق تا غرب ہمیشہ سے حضور اکرم ﷺ کی ولادت سعیدہ کے موقع پر محافل میلاد کا انعقاد کرتے چلے آ رہے ہیں اور ماہ ربیع الاول کا چاند ہونے پر خوش ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ولادت کے تذکرے کا خوب اہتمام کرتے ہیں اور مسلمان ان محافل کے ذریعے اجر عظیم اور بڑی روحانی کامیابی پاتے ہیں۔“

﴿”میلاد النبی“، ص ۵۸﴾

علامہ موصوف دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

محفل میلاد کی خصوصی برکتوں سے یہ ہے جو اسکو منعقد کرتا ہے اس کی برکت سے سارا سال اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں رہتا ہے

اور اپنے مقصد اور مطلوب کے جلدی حصول کے لئے ایک بشارت ہے۔ ﴿”ضیاء النبی“، ج ۲، ص ۴۸، مطبوعة ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

(۳) امام سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

”کہ موجودہ صورت میں محفل میلاد کا انعقاد قرونِ ثلاثہ کے بعد شروع ہوا پھر اس وقت کے تمام ملکوں میں اور تمام شہروں میں اہل اسلام میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد کرتے رہے، اس کی راتوں میں صدقات و خیرات سے فقراء و مساکین کی دلداری کرتے ہیں، حضور کی ولادت باسعادت کا واقعہ پڑھ کر حاضرین کو بڑے اہتمام سے سنایا جاتا ہے اور اس عمل کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم کی ان پر بارش کرتا ہے۔“ ﴿السيرة الحلیبة، ج ۱، ص ۱۲۳ [مطبوعة دار الكتب العلمية، بیروت]، ”ضیاء النبی“ ج ۲، ص ۴۷، [مطبوعة ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]۔﴾

(۴) حافظ ابو زرہ عراقی متوفی ۸۰۶ھ فرماتے ہیں:

محفل میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا یہ مستحب ہے یا مکروہ؟ کیا اس بارے میں کوئی نص ہے یا کسی ایسے شخص نے کی ہے جس کی اقتداء کی جائے؟

آپ نے فرمایا: ”کھانا وغیرہ کھانا تو ہر وقت مستحب ہے اور پھر کیا ہی مقام ہوگا جب اس کے ساتھ ربیع الاول میں آپ کے نور کے ظہور کی خوشی شامل ہو جاتی ہے مجھے تو معلوم نہیں کہ اسلاف میں سے کسی نے کیا لیکن اس کے پہلے نہ ہونے سے اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ بہت سے کام اسلاف میں نہ ہونے کے باوجود مستحب بلکہ بعض واجب ہوتے ہیں۔“ ﴿تنشیف الاذان، ص ۱۳۶﴾

(۵) امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ فرماتے ہیں:

محفل میلاد اور اذکار جو ہمارے ہاں کیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر بھلائی پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ، صلاۃ و سلام رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور آپ کی روح پر آپ کی مدح سرائی۔

﴿فتاویٰ حدیثیہ، ص ۲۰۲ [مطبوعة دار إحياء التراث العربی، بیروت]۔﴾

(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں:

”اللہ کریم رحم فرمائے اس انسان پر جس نے حضور اقدس ﷺ کے میلاد مبارک کے مہینے کی راتوں کو عید منایا تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں عناد اور نفاق کی بیماری ہے ان پر سخت چوٹ لگے۔“

﴿”ما ثبت بالنسبة“، ص ۱۰۲ [ادارۃ نعیمہ رضویہ، لاہور]۔﴾

شیخ موصوف علیہ الرحمہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینہ میں محفل میلاد کا انعقاد تمام عالم اسلام کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے اس کی راتوں میں صدقہ، خوشی کا اظہار اور خصوصاً اس موقع پر آپ کی ولادت پر ظاہر ہونے والے واقعات کا تذکرہ مسلمانوں کا خصوصی معمول رہا ہے۔“

﴿”ما ثبت بالنسبة“، ص ۱۰۲ [ادارۃ نعیمہ رضویہ، لاہور]۔﴾

(۷) شارح بخاری امام قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

”ربیع الاول چونکہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے لہذا اس میں تمام اہل اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل کا انعقاد کرتے چلے آ رہے ہیں اس کی راتوں میں صدقات اور اچھے اعمال میں کثرت کرتے ہیں خصوصاً ان محافل میں آپ کے میلاد کا تذکرہ

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرتے ہیں، محفل میلاد کی یہ برکت مجرب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سال امن کے ساتھ گزرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس آدمی پر اپنا فضل و احسان کرے جس نے آپ کے میلاد مبارک کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض ہے۔“

﴿”المواهب اللدینۃ“، ج ۱، ص ۸۴۱ [مرکز اہل سنت گجرات ہند]﴾

(۸) علامہ محمد بن یوسف شام متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

”امام نصیر الدین المعروف ابن طبایح نے فرمایا: جب کوئی شبِ میلاد اجتماع، صدقہ و خیرات اور خرچ کرے اور ایسی روایات صحیحہ کے تذکرے کا انتظام ہو جو آخرت کا سبب بنیں اور یہ سب کچھ آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ہو، اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور ایسا کرنے والا مستحق اجر و ثواب ہوتا ہے، جب اس کا ارادہ ہی محبت اور خوشی ہو۔“

نیز لکھتے ہیں کہ امام جمال الدین گتانی نے فرمایا:

”آپ ﷺ کی ولادت کا دن نہایت ہی معظم، مقدس اور محترم و مبارک ہے۔ آپ ﷺ کا وجود پاک اتباع کرنے والے کے ذریعہ نجات ہے جس نے بھی آپ ﷺ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اس نے اپنے آپ کو جہنم سے محفوظ کر لیا۔ لہذا ایسے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا حسبِ توفیق خرچ نہایت مناسب ہے۔“

﴿”سبل الہدی والرشاد“، الباب ۱۳ فی عمل المولد الشریف، ۳۶۳/۱ [طبعة دار الكتب العلمية، بیروت]﴾

(۹) علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

”علماء اور مشائخ محفل میلاد اور اس کے اجتماع کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ کوئی ایک بھی اس کی شرکت سے انکار نہیں کرتا، ان کی شرکت سے مقصد اس مبارک محفل کی برکات کا حصول ہوتا ہے۔“

﴿”انوار ساطعہ“ ص ۴۴، بحوالہ ”المورد الروی“﴾

(۱۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

”مکہ معظمہ میں حضور ﷺ کی ولادت کے دن میں ایک ایسی میلاد کی محفل میں شریک ہوا جس میں لوگ آپ کی بارگاہ اقدس میں درود و سلام عرض کر رہے تھے اور واقعات بیان کر رہے تھے جو آپ کی ولادت کے موقع پر ظاہر ہوئے اور جن کا مشاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تو اچانک میں نے دیکھا کہ اس محفل پر انوار و تجلیات کی برسات شروع ہو گئی انوار کا یہ عالم تھا کہ مجھے اس بات کا ہوش نہیں کہ میں نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا تھا یا فقط باطنی آنکھوں سے، بہر حال جو بھی ہو میں نے غور و خوض کیا تو مجھ پر حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ انوار ملائکہ کی وجہ سے ہیں جو ایسی مجالس میں شرکت پر مامور کیے گئے ہوتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ ملائکہ کے ساتھ ساتھ رحمت باری کا نزول بھی ہو رہا تھا۔“

﴿”فیوض الحرمین“، ص ۸۰، ۸۱﴾

نیز اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی متوفی ۱۱۳۱ھ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”میں ہمیشہ ہر سال حضور ﷺ کے میلاد کے موقع پر کھانے کا اہتمام کرتا تھا لیکن ایک سال میں کھانے کا انتظام نہ کر سکا ہاں کچھ بھنے ہوئے چنے لے کر میلاد کی خوشی میں لوگوں کو تقسیم کرادیئے، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ بڑی خوشی کی حالت میں

تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے سامنے وہی چنے رکھے ہوئے ہیں۔ ﴿”الدر الثمین“، ص ۶۱ [مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]﴾

(۱۱) علامہ مفتی محمد عنایت احمد کا کوری متوفی ۱۲۷۹ھ لکھتے ہیں:

”حرمین شریفین اور اکثر بلاد اسلام میں عادت ہے کہ ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور کثرت سے درود پاک پڑھتے ہیں اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرینی تقسیم کرتے ہیں سو یہ امر موجب برکات عظیمہ ہے اور سبب ہے زیادتِ محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے، بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ محفلیں متبرک مسجد شریف میں ہوتیں ہیں اور مکہ مکرمہ میں مکان ولادت آنحضرت میں۔ ﴿”تاریخ حبیب الہ“، ص ۸﴾

(۱۲) علامہ احمد زینی دحلان مفتی مکہ متوفی ۱۲۸۶ھ لکھتے ہیں:

”میلاد شریف کرنا اور لوگوں کو اس میں جمع کرنا بہت اچھا ہے۔ ﴿”سیرت نبوی“، ص ۴۵﴾

(۱۳) علامہ موصوف کے شاگرد رشید علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

(قرون ثلاثہ کے بعد) ”ہمیشہ مسلمان ولادت پاک کے مہینے میں محفل میلاد منعقد کرتے آئے ہیں اور دعوتیں کرتے ہیں اور اس ماہ کی راتوں میں ہر قسم کا صدقہ کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں نیکی زیادہ کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ﴿”انوار محمدیہ“، ص ۲۹﴾

(۱۴) علامہ عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں:

”جو لوگ میلاد کی محفل کو بدعت مذمومہ کہتے ہیں خلاف شرع کہتے ہیں دن اور تاریخ کے تعین کے بارے میں لکھتے ہیں ”جس زمانے میں بطرز مندوب محفل میلاد کی جائے باعث ثواب ہے اور حرمین، بصرہ، شام، یمن اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشی اور محفل میلاد اور کار خیر کرتے ہیں اور قرأت اور سماعت میلاد میں اہتمام کرتے ہیں اور ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان ممالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ ربیع الاول میں میلاد شریف کیا جائے گا تو ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔ ﴿”فتاویٰ عبدالحی“، ج ۲، ص ۲۸۳﴾

نیز مسئلہ میلاد میں بالتفصیل لکھتے ہیں:

”میلاد شریف بدعت وضلالت نہیں دو وجہوں سے وجہ اول یہ ہے کہ میلاد کا مطلب ہے کہ مقرر کوئی قرآن کی آیت یا حضور اقدس ﷺ کی حدیث پڑھے اور اس کی تشریح میں حضور ﷺ کے فضائل و معجزات ولادت و نسب کے احوال اور ولادت کے خوارق عادت جو آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے بیان کرے جیسا کہ مالکی نے ”النعمة الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد آدم“ میں اس کی تحقیق کی ہے، ان کے علاوہ علماء ماہرین نے کی ہے یہ حقیقت یعنی میلاد شریف نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں موجود تھی اگرچہ یہ نام نہ تھا فن حدیث کے ماہرین پر یہ پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کرام ﷺ مجالس وعظ اور تعلیم علم میں فضائل اور حالات ولادت کا ذکر کرتے تھے صحاح میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سیدنا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی مسجد شریف میں منبر شریف پر بٹھاتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی صفت مبارک کو نظم اور اشعار میں پڑھتے تھے آنحضرت ﷺ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے اور فرماتے کہ ”اے اللہ! روح القدس سے ان کی تائید فرما۔“

دیوانِ حسان کے ناظر پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان کے قصائد میں معجزات اور ولادت کے حالات نسب شریف کا ذکر موجود ہے، پس اس قسم کے اشعار پڑھنا کسی محفل و مجلس میں عین محفل میلاد شریف ہے۔

اگر یہ شبہ دل میں پیدا ہو کہ اگرچہ نفس ذکر ولادت اور فضائل وغیرہ ثابت ہیں مگر میلاد کا ذکر کرنا لوگوں کو جمع کر کے اور دوستوں کو گھروں سے بلا کر ثابت نہیں تو اس کو اس طرح رد نہیں کیا جائے گا کہ علم کے پھیلانے کے لئے لوگوں کو جمع کرنا اور بلا نا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

دوسری وجہ (میلاد کے لئے) یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ میلاد کا ذکر زمانہ ثلاثہ میں نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہے، نشر علم کا ہر فرد مندوب ہے اور میلاد کا ذکر بھی نشر علم کا ایک فرد ہے تو یہ نتیجہ نکلا کہ میلاد شریف کرنا مندوب ہے۔ اور اسی مسلک پر بہت بڑے فقیہ اور مفتی حضرات مثل ابوشامہ اور حافظ ابن حجر اور شامی رحمۃ اللہ علیہم اور ان جیسے علماء اس طرف گئے ہیں اور میلاد کرنا مستحب بتایا ہے۔

خلاصہ اس مقام کا یہ ہے کہ ذکر مولد فی نفسہ ایک امر مندوب و مستحب ہے خواہ اس لئے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود تھا یا اس لئے کہ یہ قاعدہ شرعی کے نیچے داخل ہے کسی نے اس (میلاد) کے ندب کا انکار نہیں کیا مگر ایک فرقہ قلیلہ (چھوٹے گروہ) نے جن کا بڑا تاج الدین فاکہانی مالکی ہے اور وہ یہ طاقت (علمی نہیں رکھتا کہ علماء مستنبطین کا جنہوں نے ذکر مولد کے ندب کا فتویٰ دیا ہے مقابلہ کر سکے لہذا اس کا قول اس باب میں غیر معتبر ہے۔) (مجموعہ فتاویٰ)

(۱۵) امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک میلاد کے لئے اجتماع تلاوت قرآن، حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات اور ولادت کے موقع پر ظاہر ہونے والی علامات کا ذکر ان بدعات حسنہ میں سے ہے جن پر ثواب مترتب ہوتا ہے کیوں کہ اس میں آپ ﷺ کی تعظیم و محبت اور آپ کی آمد کی خوشی کا اظہار ہے۔“

﴿الحادی للفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۲۱ [دار الفکر، بیروت].﴾

(۱۶) مخالفین کے پیشوا شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

”بعض لوگ جو محفل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں ان کا یا تو مقصد عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے کہ جس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دن مناتے ہیں یا مقصد فقط رسالت مآب ﷺ کی محبت اور تعظیم ہے اگر دوسری صورت ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے عمل پر ثواب عطا فرمائے گا۔“

﴿اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۰۶ [مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، الریاض].﴾

نیز لکھتے ہیں:

”اگر محفل میلاد کے انعقاد کا مقصد تعظیم رسول ﷺ ہے تو اس کے کرنے والے کے لئے اجر عظیم ہے جس طرح میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ (اور صاف ظاہر ہے کہ مسلمان ممالک میں محافل میلاد کے انعقاد میں سوائے تعظیم و محبت رسول ﷺ کے اور کوئی بھی مقصد پیش نظر

نہیں ہو سکتا)۔

﴿"اقتضاء الصراط المستقیم"، ص ۳۰۸ [مطبوعة مكتبة نزار مصطفى الباز، الرياض].﴾

(۱۷) اور شیخ قطب الدین لکھتے ہیں:

”بارہ ربیع الاول کی ہر رات، ہر سال باقاعدہ مسجد حرام میں اجتماع کا اعلان ہو جاتا تھا تمام علاقوں کے علماء، فقہاء، گورنر اور چاروں مذاہب کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہو جاتے ادائیگی نماز کے بعد سوق اللیل سے گزرتے ہوئے مولد النبی ﷺ (وہ مکان جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی) کی زیارت کے لئے جاتے ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں (گویا وہ مشعل بردار جلوس ہوتا) وہاں لوگوں کا اتنا کثیر اجتماع ہوتا کہ جگہ نہ ملتی پھر وہاں ایک عالم دین خطاب کرتے تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہوتی اور تمام لوگ پھر دوبارہ مسجد حرام میں آ جاتے واپسی پر مسجد میں بادشاہ وقت مسجد حرام اور ایسی محفل کے انتظام کرنے والوں کی دستار بندی کرتا پھر عشاء کی اذان اور جماعت ہوتی اس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں یہ اتنا بڑا اجتماع ہوتا کہ دور دراز دیہاتوں، شہروں حتیٰ کہ جدہ کے لوگ بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ ﴿"الإعلام بإعلام الله الحرام"، ص ۱۹۶﴾

فائدہ:

الف: ذکر کردہ اقوال علماء کے علاوہ مزید اقوال پر آ گا ہی کے لئے ”فضائل الأيام والشہور“ اور ”میلاد النبی کی شرعی حیثیت“ کا مطالعہ کیجئے کہ یہاں زیادہ تر اقوال ان ہی کتابوں سے بیان کیے گئے ہیں۔
ب: میلاد النبی کی شرعی حیثیت اور اس کی تحقیقی و علمی بحث پر آ گا ہی کے لئے ”فتاویٰ رضویہ“، ج ۱۲ اور ”شرح صحیح مسلم“، ج ۳ کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔

اعتذار

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کی مدد سے مخالفین کی طرف کئے گئے اعتراضات کے کافی و شافی تقریری جوابات قالب تحریر میں ڈھال کر بصورت رسالہ قلمبند کرنے کی سعی پایہ تکمیل کو پہنچی، اسی کی بارگاہ اقدس سے امید واثق ہے کہ وہ اس کاوش کو موافقین کے لئے طمانیت اور مخالفین کے لئے ہدایت کا باعث بنائے۔

قارئین حضرات پر اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہوگی کہ یہ رسالہ صرف ان اعتراضات کے جوابات پر ہی مشتمل نہیں جو مخالفین نے کئے تھے بلکہ اس میں ان کے جوابات کے ساتھ ساتھ ان سے علمی بحث کرنے کا ایسا اسلوب بھی مرقوم و مسطور ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر اعتراضات کے جوابات بھی بخوبی دیئے جاسکتے ہیں نیز ان پر ایسے اصولی اعتراضات بھی کیے جاسکتے ہیں جن کے جوابات دینے کی ان کے پاس کوئی راہ نہ ہو۔

یاد رہے کہ راقم الحروف نے جوابات دینے کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے علاوہ جو کچھ اس رسالہ میں تحریر کیا ہے اس میں سے اکثر حصہ درحقیقت مقتدر علماء اہلسنت ہی کا تحریر کردہ ہے جیسا کہ عبارات کے تحت دیئے گئے حوالہ جات سے بھی بخوبی واضح ہے۔

عجلت کے سبب ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض حوالے قلمبند ہونے سے رہ گئے ہوں یا پھر کسی عبارت کی تقدیم و تاخیر اور اس میں کچھ تغیر و تبدل کے سبب چھوڑ دیا گیا ہو۔ بہر حال اس رسالہ میں اگر کوئی غلطی و خامی رہ گئی ہو تو اسے راقم الحروف کی جانب سے سمجھا جائے اور اہل علم حضرات اس پر اطلاع دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اجمالی طور پر جاننا چاہئے کہ اس رسالہ کی ترتیب میں اردو تصانیف میں ”فتاویٰ رضویہ“، ”فتاویٰ امجدیہ“، ”فتاویٰ نوریہ“، ”فتاویٰ مظہریہ“، ”شرح صحیح مسلم“، ”توضیح البیان“، ”مقام رسول“، ”سیرت رسول عربی“، ”ضیاء النبی“، ”مشعل راہ“، ”فضائل الایام والشہور“، ”میلاد النبی کی شرعی حیثیت“ فارسی میں ”اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام“ اور عربی میں ”الحاوی للفتاویٰ“ سے زیادہ تر استفادہ کیا گیا ہے نیز بعض مقامات سے عربی اور بعض مقامات سے فارسی عبارات حذف کر کے ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

آخر میں قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ادارہ الفکر فاؤنڈیشن شعبہ نشر و اشاعت کے جملہ اراکین و عہدیداران کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ہمت و عافیت اور ادارہ کی ترقی و کامیابی کی دعا ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

محمد الیاس رضوی اشرفی

یکم جولائی ۱۹۹۸ء

